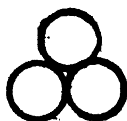
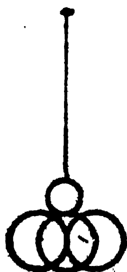
کلام صفیؔ اورنگ آبادی

(غیر مطبوعہ)

رباعی، قصیدہ، مثنوی، نظمیں اور فارسی کلام



صفیؔ بے ساختہ پن شعر میں کچھ اور ہی شے ہے
غزل ہو یا رباعی، مثنوی ہو یا قصیدہ ہو



مُرتب:-
مُحمّد نُور الدینؒ خان

کلام صفی

سلسلۂ مطبوعاتِ ادبستان دکن

○ نام کتاب :	کلام صفی اورنگ آبادی (غیر مطبوعہ)
○ مصنف :	محمد نورالدین خان
○ تعداد صفحات:	(۸۰)
○ سنہ اشاعت :	جنوری ۱۹۹۳ء
○ تعداد اشاعت:	(۵۰۰)
○ کتابت :	محمد عبدالرؤف
○ طباعت :	دائرہ پریس چھتہ بازار
○ قیمت :	چالیس روپے Rs 40/-
○ بائینڈنگ :	حفیظیہ بک بائینڈنگ چھتہ بازار
○ تصاویر :	

ملنے کے پتے :

۱. حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد
۲. مؤلف کے مکان نمبر 20-6-356 چبوترہ سید علی حیدرآباد



حضرت صفیؔ اورنگ آبادیؒ

فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

جناب سید جمیل احمد اور جناب شیخ ابراہیم کے
نام
جنہوں نے صفی کے خود نوشتہ کلام کا خزانہ میرے
سپرد کیا۔

محمد نور الدین خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

جناب صفی اورنگ آبادی اردو غزل کے صاحب طرز استاد سخن تھے۔ لڑکپن سے میلان طبع غزل گوئی کی طرف رہا۔ عروس غزل کو اپنے خونِ دل سے سنوارا اور آب و تاب بخشا۔

رنگینیٔ خیال میں ہے خونِ دل صفی
میری خزاں ہی اور غزل کی بہار ہے

صفی جیسے پُرگو اور قادر الکلام شاعر کے لیے "تنگ نائے غزل بقدر ظرف نہ تھا اپنی جولانیٔ طبع کے اظہار اور وسعتِ بیان کی راہیں استوار کرنے دیگر اصناف شاعری میں بھی اپنے ذہن رسا کے جوہر چمکائے ہیں۔ ان کی شاعری کے دو محور تھے۔ محبوب سے ہمکلامی کچھ غم جاناں اور کچھ غم دوراں کا تذکرہ دوسرے دوستوں کی فرمائشوں کی تکمیل کی خاطر شعر کہنا۔

شاعری اپنی صفی خاطر احباب سے ہے
اور پھر کچھ یہ شغلِ شبِ تنہائی بھی

وہ بڑے فراخ دل اور شائستہ طبعیت کے مالک تھے۔ کسی کی فرمائش کو ٹالتے نہ تھے دوست تو پھر دوست تھے۔ ان کی ذراسی ناخوشی گوارا نہ تھی۔ دوستوں کے نازِ بے جا کو ادائے معشوقانہ سمجھتے تھے۔

میرے سارے دوست ہی معشوق ہیں گویا صفی
روٹھ ہی جاتے ہیں فرمائش اگر پوری نہ ہو

وہ دولت مند نہ تھے جو دولت لٹاتے لیکن اقلیم سخن کے اس تاجدار نے مانگنے والوں اور فرمائش کرتے والوں کو ناامید اور مایوس نہیں کیا اور دولتِ سخن

سے جھولیاں بھردیں۔ ان کی غزلیں اور نظمیں ان کے دل کی ترنگ اور دوستوں کی فرمائشوں کے مرقعے ہیں۔

جس عہد میں صفی موجود تھے، دکن کے صاحبِ ذوق امراء نے مقامی اور بیرونی شعراء اور اہلِ کمال کی بڑی پذیرائی اور قدردانی کی۔ انہیں وظائف تک دیئے جاتے تھے چنانچہ مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ پیشکار و صدرِ اعظم ریاست حیدرآباد نہ صرف شاعر تھے بلکہ قدردانِ علم و فن بھی تھے۔ کئی مقامی اور بیرونی شعراء ان کے دربار سے وابستہ تھے اور ان کی قدردانیوں سے بہرہ مند ہوتے تھے لیکن یہ بڑی تعجب خیز حقیقت ہے کہ "ایوانِ شادؔ" کا کبھی اور کسی وقت بھی صفی نے رُخ تک نہیں کیا نہ مہاراجہ کے مشاعروں میں شریک ہوئے۔ مہاراجہ شادؔ کی تعریف اور مدح میں ان کا ایک شعر بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ مہاراجہ شادؔ پر لکھی گئی کتابیں، مقالے اور مضامین اور نیز ایوانِ شاد کے مشاعروں کے گلدستے "بزمِ شادؔ" اس بات کے شاہد ہیں۔ محترم جناب ابوالنصر محمد خالدی صاحب مرحوم سابق استاد تاریخ اسلام جامعہ عثمانیہ جن سے جناب صفی سے تقریباً بیس سالہ قریبی روابط تھے یہی فرمایا تھا کہ مہاراجہ شادؔ سے صفی مرحوم کا کسی قسم کا کوئی ربط نہ تھا۔ نہ مہاراجہ نے انہیں طلب کیا نہ از خود مہاراجہ سے ملنے وہ کبھی گئے! ابھی حال میں میں نے امیر پائیگاہ نواب معین الدولہ بہادر کے خلف الرشید نواب مظہر الدین خاں صاحب مظہر سے بھی اس بات کی تصدیق کرلی ہے۔ نواب صاحب اپنے استاد صفی سے بہت قریبی مخلصانہ مراسم رکھتے تھے۔ اس بات کو ہم نے اس واسطے ذرا طوالت دی کہ "سوانح عمری صفی اورنگ آبادی" لکھتے وقت جناب صفی کی زندگی کا یہ پہلو نظر انداز ہوگیا تھا۔ البتہ دو امراء کے نام ملتے ہیں جو صفی کے مربی اور قدردان تھے اور باوجود اپنی وضع داری صفی ان دو امیروں کی مدح و توصیف میں رطب اللسان ہیں ایک نواب معین الدولہ بہادر دوسرے نواب تراب یار جنگ سعید خاص طور سے نواب معین الدولہ کے دربار سے وہ تقریباً بارہ سال تک وابستہ رہے اپنی تالیف "سوانح عمری صفی اورنگ آبادی" میں بہ عنوان

"نواب معین الدولہ اور صفی اورنگ آبادی" ہم نے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ وہ غزل گو شاعر تھے لیکن قصیدہ نگاری پر انہیں مائل و مجبور ہونا پڑا:

مرا پیشہ نہیں ہے مدح گوئی
مرا شیوہ نہیں ہے مدح خوانی
غزل گو ہوں قصیدہ گو نہیں ہوں
مَیں اپنی آپ کہتا ہوں کہانی

نواب معین الدولہ کی مدح میں اُنہوں نے اردو اور فارسی میں قصیدے لکھے ہیں لیکن ان کے پڑھنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مدح سرائی میں بھی خود داری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ حد سے بڑھ کر غلو سے کام نہیں لیا۔ ممدوح میں فی الواقع جو خوبیاں ہیں ان ہی کا تذکرہ شاعرانہ انداز میں کیا۔

جناب صفی کے اب تک تین دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ یعنی "پراگندہ"، "فردوس صفی" اور "گلزارِ صفی" کہنے کو تو یہ تین دیوان ہیں لیکن دراصل یہ انتخابِ کلام صفی ہے۔ مکمل کلام ان تینوں مجموعوں میں نہیں ہے اور پھر غزلیں اور اشعار کم و بیش سب میں مشترک ہیں۔ جناب صفی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دیوان میں صرف غزلیں اور چند رباعیات ہی ملتے ہیں لیکن ان کا دیگر کلام قصاید، مثنوی، مسدس، اور فارسی کلام سے سارے مجموعہ کلام خالی اور معراء ہیں۔

صفی پر لکھے گئے مقالوں اور مضامین بھی دیگر اصنافِ شاعری میں ان کی طبع آزمائی کے نمونوں اور ذکر سے خالی ہیں۔ البتہ جناب صاحبزادہ اشرف الدین علی خاں نے اتنا لکھا ہے کہ "صفی نے دو چار نظمیں اور دو ایک قصیدے بھی لکھے ہیں"۔ [مرقع سخن جلد اول صفحہ ۳۷] اسی طرح جناب سید غوث یقین "فردوس صفی" میں دو قصیدوں اور دو ایک نظموں کا تذکرہ کرتے ہوئے نمونۃً دو چار شعر لکھے ہیں۔

جناب صفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی دیوان اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے اس میں غزلوں اور متفرق اشعار کی تعداد تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دیوانوں سے زیادہ ہے اور خاص بات یہ کہ اس دیوان میں رباعیات، قطعات، مسدس

مثنوی، قصائد، نظمیں اور فارسی کلام بھی موجود ہے۔ جناب صفی کی غزلوں کے تین مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں لیکن دیگر اصنافِ سخن پر مشتمل کلام ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آیا اور نہ شائع ہوا۔ اس لیے ہم نے متذکرہ دیوان سے ایسے تمام کلام کو اکٹھا کر کے اپنے نوٹ کے ساتھ شائع کرنے کی جسارت کی ہے تاکہ یہ محفوظ ہو جائے اور ضائع ہونے سے بچ جائے۔

صفی پُرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کے ساتھ ٹریجڈی یہ ہوئی کہ ان کا بیشتر کلام بلکہ دیوان ضائع اور گم ہوتے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

جل گئے، کچھ بہہ گئے، چوری گئے کچھ اے صفی
ہائے مجھ کو یاد آتی ہر مرے اشعار کی

اور پھر کس حسرت سے کہتے ہیں:

چند اوراق ہیں جو کچھ بھی غنیمت ہیں صفی
اب میں کھوئے ہوئے دیوان کہاں سے لاؤں

لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ یادداشت اور اپنے حافظہ میں جو شعر آتے گئے لکھ لکھ کر دیوان مرتب کرتے گئے۔ متذکرہ دیوان میں بعض نظموں پر ان کی تحریر سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ گم ہو جانے یا دیمک چاٹ جانے سے جو شعر یاد آئے انہوں نے لکھا ہے۔ اس لحاظ سے یقیناً زیادہ نظمیں وغیرہ کہی ہوں گی جو ضائع ہو گئیں۔ اب یہ جو کلام زیورِ طبع سے مزین ہوا ہے بے شک کم ہے لیکن اہم ہے۔ رتبۂ سخن اس لیئے بلند ہے کہ یہ جناب صفی کا فرمودہ ہے۔

سب سے پہلے میں اپنے علم دوست اور صاحبِ ذوق دوستوں جناب سید جمیل احمد صاحب اور جناب شیخ ابراہیم صاحب کا شکریہ ادا کرنا اولین فریضہ سمجھتا ہوں جنھوں نے جدہ سے جناب صفی کے خود نوشتہ قلمی دیوان کے زیراکس بھیج کر اس پر کام کرنے کی مجھ سے خواہش کی۔ دراصل جناب صفی کے بیش بہا غیر مطبوعہ نظموں کو اہلِ ذوق سے روشناس کرانے کے وہی محرک اور سبب بنے ہیں۔

میرے دوست جناب محبوب علی خاں صاحب اخگر کا بھی ممنون ہوں کہ کتابت، طباعت اور کتاب کی تکمیل تک سبھی قدم سے ہر طرح ان کا تعاون مجھے حاصل رہا۔

محمد نور الدین خان

جنوری سنہ ۱۹۹۳ء
مکان نمبر 20-6-356
دیوڑھی نواب مشرف جنگ فیاض
چبوترہ سید علی۔ حیدرآباد دکن
فون نمبر: 526423

نظم

دلّی کے ایک مشاعرے میں اُستادِ سخن حکیم آغا جان عیش دہلوی نے غزل سُنائی تھی۔ زمین تھی لیکار دے۔ گزار دے۔ ان کا ایک شعر اُردو کے اچھے شعروں میں شُمار ہوتا ہے۔

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے ؟ تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

اس مُشاعرہ میں اُستاد ذوق بھی شریک تھے۔ ان کی غزل کے ایک شعر کا عیش کے اس شعر سے توارد ہو گیا۔

اے شمع تیری عمرِ طبعی ہے ایک رات ؛ ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

[تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تذکرہ آبِ حیات]

پچیس ۲۵ اشعار کی غزل کلیات ذوق میں موجود ہے۔ داغ دہلوی نے اپنے اُستاد کی غزل پر غزل کہی تھی۔ "گلزارِ داغ" میں ان کی غزل موجود ہے جس کے گیارہ شعر ہیں۔ داغ کی غزل کا مطلع ہے:

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے ؛ جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

جناب صفی نے اساتذۂ سخن کی غزلوں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ نظم کہی ہے دراصل یہ قطعہ بند دعائیہ نظم ہے جوان کے دل کی آواز اور آرزو ہے پُرتاثر اور رواں دواں ہے۔ جناب صفی کے مجموعۂ کلام "فردوسِ صفی" مرتبہ سیّد غوث یقین میں یہ نظم نہیں ہے نہ اس کے کچھ شعر۔ البتہ "پراگندہ" میں "مناجات" کے عنوان سے بارہ شعر اور "گلزارِ صفی" میں بغیر عنوان چھ شعر ملتے ہیں:۔

نظم

تو وہ ہے جو ہر ایک کی بگڑی سنوار دے ؛ میری مراد بھی مرے پروردگار دے
محفوظ رکھ فریب سفید و سیاہ سے ؛ گردش نہ مجھ کو گردشِ لیل و نہار دے
مجھ پر نہ ہو ثوابت و سیّار کا اثر ؛ ایذا نہ کچھ مجھے فلکِ کج مدار دے
دشمن سے ہو کبھی نہ خیال انتقام کا ؛ جو دوست ہیں تو اُن پہ مجھے اعتبار دے
ای آبیارِ گلشنِ نیرنگیٔ وجود ؛ محنت کا پھل مجھے چمنِ روزگار دے

مطلب سمجھ میں آئے بقائے دوام کا
ایسا سبق یہ زندگیٔ مستعار دے

ایسا نہ ہو حقیر سمجھ لے کوئی مجھے
ایسا نہ ہو کوئی مجھے دل سے اُتار دے

حسنِ طلب میں مجتہدِ عصر ہوں مگر
شہرت جسے پسند ہو وہ اشتہار دے

دل کو مرے ہر ایک طرح مطمئن بنا
غم دے تو غم کے ساتھ کوئی غم گسار دے

دُنیا میں تو ذلیل نہ کر سب کے روبرو
ایمان و عیش و دولت و عزّ و وقار دے

میں خود اسیرِ ہستیٔ ناپائیدار ہوں
مجھ کو تری خدائی کا صدقہ اُدھار دے

تیری خوشی ہو جس میں وہ رستہ مجھے دکھا
سیدھی سمجھ۔ ارادہ مجھے استوار دے

آنکھوں کو ایسی لذّتِ دیدار ہو نصیب
ہر دم جو مجھ کو کیفِ مئے خوش گوار دے

برسات ہو تو لطف ہو برسات کا نصیب
معشوق خوش مذاق و مئے خوش گوار دے

مہجور ہوں اگر تو مجھے وصل کر نصیب
مجبور ہوں جو میں تو مجھے اختیار دے

فرقت میں صبر ہو تو مجھے رنج میں خوشی
ظلمت میں نور اور خزاں میں بہار دے

دل کو تپش سے غیرتِ برقِ تپاں بنا
آنکھوں میں اشک رشکِ دُرِ شاہوار دے

اِس بندۂ کمینہ میں پروائے جان نہ رکھ
جب چاہے جس پہ چاہے محبت میں وار دے

تیرا یہ حکم مانگ ہر اک چیز مجھ سے مانگ
میری دُعا کہ دے مرے پروردگار دے

داتا کی شان یہ ہے کہ جاری ہو اُس کی دین
سائل کا شیوہ یہ ہے کہ دامن پسار دے

میں بار بار مانگوں جو درکار ہو مجھے
اور اپنے فضل سے تو اُسے بار بار دے

یا کوئی تیرے بندوں میں ایسا مجھے بتا
پارے کی طرح نفس کے موذی کو مار دے

یا کوئی جا کے لائے اُسے غم کدے تک آج
یا کوئی آ کے میری اجل کو پکار دے

دُنیا میں کچھ بھی قدرِ محبت نہیں رہی
نالہ جگر گداز و نفس شعلہ بار دے

یا دے مری زبان میں تاثیر اور اثر
یا اُس کو میری بات پہ تو اعتبار دے

یا دل کو سوزِ ہجر سے محفوظ رکھ مدام
یا اُس کو داغ دے تو ہمیشہ بہار دے

یا اُس کا قول ہی مجھے باور نہ ہو کبھی
یا تابِ انتظار۔ شبِ انتظار دے

یا آبرو کے ساتھ محبت کی راہ میں
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

یا تو صفی کی اب سے ہو ہر اک دُعا قبول
وہ تجھ سے ایک مانگے تو اُس کو ہزار دے

یا ایک دل نصیب ہو اُس کو بہ قولِ داغ ۔ جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

رُباعیات

غزل کے علاوہ رُباعی گوئی بھی جناب صفی کی پسندیدہ صنفِ سُخن رہی ہے رُباعی کہنے کا انہیں ذوق وشوق کے ساتھ بڑا ملکہ بھی تھا۔ ان کی رباعیاں فن رباعی گوئی پر پوری اُترنے کے ساتھ ساتھ عاشقانہ، حکیمانہ، اخلاقی اور معاشرتی عنوانات پر ان کے انداز بیان کی سادگی اور رعنائی کے دلکش مرقعے ہیں۔ لوگ فرمائش کر کر کے مشاعروں میں ان سے رباعیات سنتے تھے۔ چنانچہ ایک مشاعرہ میں راقم نے بچشم خود دیکھا ہے کہ سامعین کے بے حد اصرار پر جناب صفی نے اپنی رباعیات سنائی تھیں۔

وارد جو شکستگی ترے دل پہ رہی ؛ اُمید ہر اک پہلی ہی منزل پہ رہی
ہی لذتِ سیر، وجہِ قلبِ سالم ؛ ٹوٹی کشتی ہمیشہ ساحل پہ رہی

مَیں نے جو سبب صفی سے پوچھا غم کا ؛ اک راگ الاپا ہی عجب سُرگم کا
کہنے لگا کچھ کا کچھ، بھی انٹ کی سنٹ ؛ ایسا، ویسا، فلانا، امکا، ڈھمکا

کچھ دن تو حسینوں میں وفا کو ڈھونڈھا ؛ کچھ روز تو دوست آشنا کو ڈھونڈھا
بے ہودہ صفی نے عمر کھوئی اپنی ؛ جب کچھ نہ ملا تو پھر خدا کو ڈھونڈھا

پھر کیوں نہ رہے گا تم سے دشمن ٹیڑھا ؛ کہتے ہو کہ شاعری کا ہی فن ٹیڑھا
پوری وہی گت ہوئی تمہاری تو صفی ؛ آتے نہیں ناچنا تو آنگن ٹیڑھا

غیروں کے لئے خراب ہونے والا ؛ اک روز ہی کامیاب ہونے والا
بے کار نہیں خدمتِ اربابِ چمن ؛ پانی اک دن گلاب ہونے والا

چل جائیں نہ تجھ پہ حرص و کالج کے پیچ ÷ دوزخ کو نہ مول بھائی! جنت کو نہ بیچ
اک ایک نہ ایک روز مرنے والے ÷ دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

قاصد تو مرے پاس سے لے جائے خط ÷ اور اس بت لو خط کو نہ پہنچائے خط
ہم نے یہ کی استادی صفی عید کے دن ÷ عیدی کے بہانے سے ہی بھجوائے خط

ظاہر کو نہ دیکھ! دیکھ! ناداں! سنبھل! ÷ اٹکل پہ قیاس کر نہ اعلیٰ اسفل
حسن صورت پہ جان دینے والے ÷ سونا سونا ہی اور پیتل پیتل

اللہ! یہ زاہدوں کی باتیں کیا ہیں؟ ÷ معلوم نہیں بجا ہیں یا بے جا ہیں
پاس انفاس ہی، مگر موت کا ڈر ÷ دنیا میں ہیں اور تارک دنیا ہیں

میلے ٹھیلے کی جب خبر پاتے ہیں ÷ دس بیس کو گھور کے چلے آتے ہیں
ساری دنیا تو دل کو بہلاتی ہے ÷ ہم ہیں کہ صفی نظر کو بہلاتے ہیں

سب کہتے ہیں کچھ قوم کا رونا روؤں ÷ آنسو ہی نہیں آنکھ میں تو کیا روؤں
معشوق تھا ایک اس نے رلایا اتنا ÷ اتنوں کے لئے نہ جانے کتنا روؤں

سفاک، بڑی شوخ، خماری آنکھیں ÷ ہم نے دیکھی ہیں یوں تو ساری آنکھیں
جس میں نہیں مہر وہ تمہارا دیدہ ÷ جن میں نہیں نیند وہ ہماری آنکھیں

ہوتا نہیں دوست تو کسی کا دشمن ÷ معلوم نہیں دوست ہے وہ یا دشمن
ہر دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے مگر ÷ جو دوست ہے اُن کا وہ ہمارا دشمن

ممدوح کریم، یارِ دم ساز نہیں ؛ احباب بھی ہم مذاق و ہم راز نہیں
دُنیا نے کہاں قدرِ سخن کی ہے صفی ؛ اب تو مجھے شاعری پہ کچھ ناز نہیں

لوگوں سے ہر ایک ڈھب سے مِل جُل کے رہو ؛ اب تک نہ رہے تو اب سے مِل جُل کے رہو
دُنیا میں اگرچہ نیک و بد سب ہیں صفی ؛ رہنا ہی یہاں تو سب سے مِل جُل کے رہو

کہتے دو بُرا۔ بڑوں کے منہ پر نہ چڑھو! ؛ اچھے ہو صفی! اچھوں کی حد سے نہ بڑھو!
توبہ کرو! انسان کو اِتنا غصّہ ! ؛ پانی پیو! شیطان پہ لاحول پڑھو!

کیا جانے تمہیں کوئی کہ کیسے تم ہو ؛ مَیں جانتا ہوں تم کو کہ جیسے تم ہو
بے رحم، دغا باز، فسوں گر، عیار ؛ لو مجھ سے سنو جناب! ایسے تم ہو

شہ رات میں اکیلے ہیں کوئی پاس نہیں ؛ کچھ سر بھی تو جُز رنج و غم و یاس نہیں
دیکھا جو پلٹ کر تو کمر بیٹھ گئی! ؛ قاسم نہیں، اکبر نہیں، عباس نہیں

حسبِ فرمائش سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب [چارمنیار]

بے آسوں کی آس بے پناہوں کی پناہ ؛ شہزادۂ سلطان دکن اعظم جاہ
عمر و اقبال میں ترقی ہو مدام ؛ راضی ہو رعیت اور شادان رہیں شاہ

سو بار ہوئی ہے عذر خواہی توبہ ؛ مَیں اور خیالِ بے گناہی توبہ
عاصی، عاصی ہوں میرے مالک عاصی ؛ توبہ توبہ ہے یا الٰہی توبہ!!

تصویر تو وہ ہے نہ ہٹے جس سے نگاہ ؛ کوئی کہے واہ واہ تو کوئی کھینچے آہ
تصویر وہ کیا ہے کہ جو دیکھے وہ کہے ؛ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

مدت ہوئی حضرت کو جو معراج ہوئی ÷ تقویم کئی سال کی تاراج ہوئی!
پھر بھی یہ لطف، یہ مزہ آتا ہے ÷ جیسی کہ نئی بات کوئی آج ہوئی!

کیا تم سے کہیں کہ رات کیوں کر گزری ÷ ہم کیا دھرائیں بندہ پرور آ گزری
دردِ جگر، اضطرابِ دل، گریۂ چشم ÷ جو کچھ گزری ہمارے جی پر گزری

کیا عرض کروں کہ رات کیوں کر گزری ÷ یا عرض کروں کہ رات کیوں کر گزری
اچھا کچھ دیر بیٹھ جائیں سرکار ÷ تا عرض کروں کہ رات کیوں کر گزری

دل سے وہ سوزشِ نہانی نہ گئی ÷ وہ داغِ جگر کی سرگرانی نہ گئی!
یاد آتے ہیں اب بھی آپ اکثر ہم کو ÷ اب تک بھی یہ آپ کی نشانی نہ گئی!

وہ مہر و محبت وہ ملاقات گئی ÷ وہ لطف وہ خاطر وہ مدارات گئی
خاموش ہوئی شمع تو تم بھی خاموش ÷ کیا یہ تو نہیں رات گئی بات گئی

کس طرح عروج ہو حقیقت یہ ہے ÷ انگریزی نہیں آتی مصیبت یہ ہے
نعلین ہیں پاؤں میں تو منہ پر داڑھی ÷ دکنی بھی ہوں ان سب یہ قیامت یہ ہے

ہر جنس میں ایک فرد لاثانی ہے ÷ ہوتی پانی نہیں مگر پانی ہے
حضرت یوسف نے کیا زلیخا سے کیا ÷ ہے جن کے لئے جوانی دیوانی ہے

سنتے تھے جو لوگوں کی زبانی سچ ہے ÷ ہر قصہ صحیح، ہر کہانی سچ ہے
ہم؟ اور یہ وسواس؟ الٰہی توبہ! ÷ عشق است و ہزار بدگمانی سچ ہے

سنتے ہیں صفی کو کچھ سمجھ آئی ہے ؛ آج اس نے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے
لیکن نہیں اعتبار آتا ہم کو ؛ دیوانہ ہے، مجنون ہے، سودائی ہے

اقرار محبت بھی اسی منہ سے کرے؟ ؛ اظہار محبت بھی اسی منہ سے کرے
اس منہ سے صفی نے جس کی کی ہے تعریف ؛ پھر اس کی شکایت بھی اسی منہ سے کرے؟

بے پر کے چمن میں روز فوارہ اڑے ؛ یا دھوپ سے اوس، آگ سے پارہ اڑے
صوفی نہ اڑے زمیں سے گز بھر اونچا ؛ دن بھر شب بھر ہوا پہ طیارہ اڑے

مطلب برآئے جس سے مطلب وہ دے ؛ اب سے مانگوں نہ کچھ مجھے اب وہ دے
میری تو خوشی سے میں نے غم پائے ہیں ؛ جس میں تیری خوشی ہو یارب وہ دے

الفت کا مزہ جب ہے کہ مرجائے تو جائے ؛ یہ درد سر ایسا ہے کہ سرجائے تو جائے
جب ذوق یہ فرمائیں تو میں کون صفی ! ؛ دل جائے تو جائے اب جگر جائے تو جائے

ان کے چرچے گلی گلی ہو جاتے ؛ کچھ اور ہی بہبود علی ہو جاتے
برباد کیا صفی کو بے کاری نے ؛ یہ عیب نہ ہوتا تو ولی ہو جاتے

وہ رباعیات جو نیند نہ آنے سے متعلق ہیں۔

راتوں کو اڑی نیند تو تلوے سہلائے ؛ دن کو تو ادھر ادھر پھر کے جی بہلائے
یہ لیل و نہار تھے مقدر میں، تو ہم ؛ بے کار تر سے چاہنے والے کہلائے

یا ہجر میں جی بھر کے مجھے رونے دے ؛ یا وصل سے دل شاد کبھی ہونے دے
او نیند کے ماتے! تیرے آلام کی خیر ؛ کچھ اور نہیں خیر ذرا سونے دے

آرام کی صورت تو نکل آئے گی ٭ وہ آئیں گے یا میری اجل آئے گی
نیند اڑ گئی، کچھ سونے کی چڑیا تو نہ تھی ٭ جو آج نہیں تو کل آئے گی

عاشق ہوئے برباد بھی ہو جائیں گے ٭ ہم دل کی طرح جان بھی کھو جائیں گے
جو روز نہیں نیند نہ آئے گی صفیؔ ٭ اک رات کو کچھ کھا کے ہی سو جائیں گے

صورت کا فدائی حسن کا مارا ہوں ٭ بے آس ہوں بے یار ہوں بے چارا ہوں
ہوتی ہی جو رات بھی تو ہوتا نہیں چین ٭ ملتا نہیں نیند کو وہ آوارہ ہوں

عاشق جو ترا نیند کا گرویدہ نہیں ٭ اب خواب کا مشتاق کوئی دیدہ نہیں
ممکن نہیں برسات میں سوتے چھوٹیں ٭ گلزار میں بھی سبزۂ خوابیدہ نہیں

یارب کیسے وہ آدمی ہوتے ہیں ٭ مردوں سے جو شرط باندھ کر سوتے ہیں
تارے ڈوبے، گجر بجا، صبح ہوئی ٭ ہم شام سے آج نیند کو روتے ہیں

گردشِ قسمت کی خاک چھڑاتی ہے ٭ اک بات بنی تو اک بگڑ جاتی ہے
آتے ہیں جو وہ تو ہوش اڑ جاتے ہیں ٭ آتے نہیں وہ تو نیند اڑ جاتی ہے

انسان وہ ہے جو قدرداں کو جانے ٭ بے مہر کو سمجھے۔ مہربان کو جانے
بچے سے کوئی سیکھے محبت کی قدر ٭ گر جائے تنور میں جو ماں کو جانے

طفلی و شباب کے فسانے اچھے ٭ عہدِ پیری کے کارخانے اچھے
اے حسن ہمیشہ ترے جلوے روشن ٭ اے حسن ترے تینوں زمانے اچھے

افسوس زبردستی وہ دل کو لے لے ∴ پھر لڑنے کو آئے مجھ سے ہولی کھیلے
مانگوں تو کہے تجھے اجازت ہے صفی ∴ جا اب تو مرے نام پہ عرضی دے لے

یا حال کا رنگ زندگانی کہیئے ∴ یا دورِ گزشتہ کی کہانی کہیئے
کیسی ہے صفی آج یہ صمٌ بکمٌ ∴ کہیئے کچھ تو نئی پُرانی کہیئے

کھویا کہیں کچھ تو کچھ کہیں پایا ہے ∴ اولا بدلا تو ہوتے ہی آیا ہے
طفلی میں صفی کھائی تھی ہم نے مٹی ∴ مرجانے پہ مٹی نے ہمیں کھایا ہے

سورج مری بے کسی کا اب تک نہ ڈھلا ∴ ارمان کوئی ذرا بھی پھولا نہ پھلا
قایم رہے داتا تری لکسٹ سرکار ∴ دے بھی تو بھلا ہو جو نہ دے بھی تو بھلا

خود کو گنتا ہے سب سے ناداں اچھا ∴ خود ہی اچھا نہ اُس کا دیوان اچھا
پھر بھی مانو صفی کو اے اہلِ دکن ∴ باہر کے ولی سے گھر کا شیطان اچھا

جو لوگ صفی کی گت بناتے بھی ہیں ∴ کچھ اس سے زیادہ داد پاتے بھی ہیں
اس کو تو بس آتا ہے غزل لکھنا ہی ∴ وہ خیر سے لکھتے بھی ہیں گاتے بھی ہیں

کس کام کا مجبور کے جیسا پینا ∴ پینے کو نہ چاہے جی تو کیسا پینا
پینے کا مزہ پلانے والے کے ساتھ ∴ دشمن کو بھی ہو نصیب ایسا پینا

جب میں پھولوں ہر پیر و جواں پیتا ہے ∴ کیا پیر و جوان سارا جہاں پیتا ہے
لیکن مجھے ملتا نہیں ہرگز وہ کیف ∴ جب ساتھ مرے پیرِ مغاں پیتا ہے

اُشتر کہ بہ دہر ہست ہم قدِّ سہی ÷ پُر ہست ز استخوان واز گوشت تہی
ہذا عجب عجاب در امّ کتاب ÷ کیفَ خُلِقَت نوشتہ ہِن اَوّ لہٖ

اک دوست سے اک دوست نے پوچھا اے دوست ÷ اچھا ہوتا ہے بھائی اپنا یا دوست
اس دوست نے سوچ کر کہا اے بھائی ÷ بھائی بھی وہ اچھا ہے جو ہو اپنا دوست

جتنے بھی طغرے پنج تن کے دیکھے ÷ دیکھا۔ اللہ میاں ہیں اول بیٹھے۔
کیوں دیکھنے والوں کو کشش دیں پنج ہو ÷ مشہور تو یہ پانچ ہیں گنتی میں ہیں چھے

سب لوگ مجھے کیا کہوں کیا دیتے ہیں ÷ اللہ نے جو کچھ بھی دیا دیتے ہیں۔
جو کچھ نہیں دے سکتے ہیں۔ ایسے مجبور ÷ گالی دیتے ہیں یا دُعا دیتے ہیں

دنیا ہے نثار۔ مال ہے تو سب ہے ÷ خلقت ہے فدا جمال ہے تو سب ہے
دو نو جو ہوں۔ کمال سیکھے انسان ÷ انسان میں کچھ کمال ہے تو سب ہے

مطلب کے لئے وقار کھو لیتے ہیں ÷ دلواتے ہیں آبرو ڈبو لیتے ہیں!
ہیں قابل التفات مجبور ترے ÷ کچھ ہو نہیں سکتا ہے تو رو لیتے ہیں

شدت کی تپش ہے تا بہ کے آہ بھروں ÷ ہیں پیر مغاں آپ تو پھر کس سے ڈروں
جی میں ہے شراب سے بجھا دوں گرمی ÷ بالضد نہ کروں علاج بالمثل کروں

اک پٹپٹی اور میں ہوں یہ رات کہاں ÷ ہر شب ہے شب برات۔ وہ بات کہاں
میں ایک غریب اور وہ شاہنشہ حسن ÷ مجھ میں ان میں بھلا مساوات کہاں

مبنی یہ کلام رشک و غیرت پہ نہیں ؛ صورت پہ جو رجحان ہی سیرت پہ نہیں
بے فائدہ عینکیں لگانے والو ! ؛ ہی آنکھ بصارت پہ بصیرت پہ نہیں

یہ گلشن عالم ہی صفی دو روزہ ؛ اے مرد خدا تم بھی تو رکھو روزہ
ہم کو یہ تو کل نے پڑھایا ہی سبق ؛ مل جائے تو روزی ہی نہیں تو روزہ

لکھنے پڑھنے میں اک توانائی دی ! ؛ پیری میں مجھے قوتِ برنائی دی !
فرمائی مرے ضعف بصارت کی دوک ؛ عینک نہیں! سرکار نے بینائی دی

کعبے کے سفر سے آئے واعظ تن کر ؛ گویا پھر سے بگڑ گئے ہیں من کر
نادانوں پہ یہ دباؤ اللہ اللہ ؛ بچوں کو ڈراتے ہیں یہ حاجی بن کر

مہمل، واہی تباہی، کیوں بکتا ہی ؛ حیرت سے ہر ایک منہ ترا تکتا ہی
مضمون ترے شعر کا نادان شاعر ؛ ہوتا ہی، ہوا ہی، یا ہو سکتا ہی

دَم تو بھی کسی خودسر و بدخو پر دے ؛ دل چین ۔ نہ فرصت کبھی چشمِ تر دے
اور دشمن عشاق! کھول ادر تو کیا ؛ اللہ کسی پر تجھے عاشق کر دے

یارم باشی بمن بباشی اے دوست ؛ از بہر من دو روزہ جان دار نکوست
یارم با من جہر اُنہ و من میرم آہ ؛ گویند بمیرد آں کہ یارش با اوست

شاعر یہ مرے سامنے جب ہوتے ہیں ؛ اندازِ سخن ان کے غضب ہوتے ہیں
کچھ پاس تخلص بھی نہیں ان کو صفی ؛ پوتے دادا سے بے ادب ہوتے ہیں

تکلیف رنج ہو نہ راحت کی خوشی ؛ عسرت کا ملال ہو نہ عشرت کی خوشی
مرے مالک مجھے تو اپنا کر لے ؛ دوزخ کا ڈر رہے نہ جنت کی خوشی

گو رنج میں عیش غم میں راحت نہ رہی ؛ اس طرح تو بدمزہ طبیعت نہ رہی
اب یا تو صفیؔ ہم وہ صفیؔ ہی نہ رہے ؛ یا یہ کہ کسی چیز میں لذت نہ رہی

تکلیف میں شاد غم میں خرسند رہا ؛ دل اور کھلا کام جو کچھ بند رہا
رونا آیا تو ہنس کے ٹالا اس کو ؛ اب تک تو صفیؔ وضع کا پابند رہا

ہر ایک کو جی بھر کے پلانے والے ؛ مے خواروں پہ مے خانہ لٹانے والے
ہی دید تری۔ عید سے کیا کام ہمیں ؛ ہم تو ہیں تری عید منانے والے

جو تم سے نہ برآئے وہ اُمید ہی کیا ؛ دیکھے نہ تمہیں آنکھ تو پھر دید ہی کیا
جب تم نہ رہو خوش۔ تو خوشی ہی کیا خاک ؛ جب تم نہ کرو عید تو پھر عید ہی کیا

یہ بزم فروغ محفل جمشید سے ہے ؛ اقبال یہ سب غیب کی تائید سے ہے
ہی پیر مغاں سے رونق بزم صفیؔ ؛ ذروں کی سب آب و تاب خورشید سے ہے

شام عید

مشکل آسان تو بنا دیتا ہے ؛ ہر ایک کی شان تو بنا دیتا ہے
اے پیر مغاں! عید منانے کے لئے ؛ بڈھوں کو جوان تو بنا دیتا ہے

میرے لئے اپنے کو بھی پابند کرو ؛ اس سے بھی حفاظت مری وہ چند کرو
میں بادۂ سرجوش سا خم ہوں لیکن ؛ کھولو بھی تمہیں اور تمہیں بند کرو

اِک عربی دان ہیں عجب خواہ مخواہ ٭ رکھتے نہیں کچھ مذہب و مِلّت پہ نگاہ
شیطان کے نام پر پڑھ دیتے ہیں ٭ لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ !!!

اللہ سے نڈر کہ خوف استاد نہیں ٭ ادھور ہے جگر کسی سے امداد نہیں
ہوگی جب بازپرس کیسا ہوگا ٭ مفلس تجھے آموختہ بھی یاد نہیں

بے فکر معاش کچھ نہ کچھ ہوتے ہم ٭ آرام سے تنہا تو کبھی سوتے ہم
جھوٹے موتی ہی کاش ہوتے آنسو ٭ روتے کو بنے تھے تو رہے روتے ہم

جی بھر کے کبھی ہنس نہ سکے رو نہ سکے ٭ غم سے فارغ کسی طرح ہو نہ سکے
جب غم نہ رہے تو کوئی اندیشہ رہے ٭ ہم بھی کیا ہیں کہ نیند بھر سو نہ سکے

غالب جو یگانہ کی نظر میں نہ جچا ٭ اس پہ ہر شاعروں میں کیوں شور مچا
حیرت کی جگہ کیا ہے اسے دیو الو ! ٭ اس چودھویں صدی میں بھتیجا ہی چچا

کہنے سے طبیعت نہیں میری تھکتی ٭ حیرت سے ہے دنیا مرے منہ کو تکتی
میں نے تری تعریف میں کھولی ہے زباں ٭ اب میری بھی تعریف نہیں ہو سکتی

اس بھاپ کی تاثیر کہوں میں کس سے ٭ تبخیر وہ ہے دل ہے پریشان جس سے
کرتے ہیں دماغ و دل کو جو بے قابو ٭ جرمن بھی تو واقف نہیں ان گیس سے

کب تک تیر تقاضہ سینہ چھیدے ٭ کب تک کریں قرض خواہ میرے لے دے
فرما ! فرما ! نہال فرما ! فرما ٭ دے دے ادے دے ! داد دے دے دے

خاموشی میں زباں کی راحت ہے ٭ عصیاں سے بچو تو جاں کی راحت ہے
قلتِ اسباب کی ہے راحت دل کی ٭ دل کی راحت جہاں کی راحت ہے

عادت پہ عوام کی گزارے کیوں کر ٭ ہے عقل تو غم غش میں مارے کیوں کر
موجود میں موجود وہی ہے تو صفیؔ ٭ اللہ کو اللہ پکارے کیوں کر

قطعات

قطعات بھی خود نوشتہ دیوان میں موجود ہیں رباعیات کی طرح قطعات بھی دلچسپ ہیں

ہم نشین تجھ کو کھوج کیوں اتنی ٭ کون تھا۔ کیا ہوا۔ کہاں بیٹھے
جس سے ملنا تھا ہم کو اس سے ملے ٭ بیٹھنا تھا ہمیں جہاں۔ بیٹھے
ہم بھلے گھر بھلا صفیؔ اپنا ٭ اجنبی آدمی کہاں بیٹھے

دل ہوا غیب تو میں نے پوچھا ٭ اب کوئی اس کو گیا ہی جانے
بھولے پن سے یہ جواب اس نے دیا ٭ غیب کا حال خدا ہی جانے

لکھ لکھ کے میں نے حالِ دلِ دردمندِ عشق ٭ رنگ اپنا خاص تھا، جو اسے عام کر دیا
اب اُن کی سنئے کہتے ہیں ہر ایک سے یہی ٭ بدنام کر دیا مجھے بدنام کر دیا!

شاعری سے نفعِ مالی کے لئے ٭ عہدہ داروں کا اثر درکار ہے
عہدہ داروں کے اثر کے بعد بھی ٭ ایسے کاموں کو جگر درکار ہے

تم اپنی بزم میں اتنا تو انتظام کرو ٭ کہ قاعدے سے قرینے سے بیٹھے جو بیٹھے
ہے اس طرح درِ دولت پہ عاشقوں کا ہجوم ٭ کوئی یہ سمجھے بھکاری ہیں بھیک کو بیٹھے

تحت مناد جاگیر داران مجلس مقننہ کے لیے مستغنی عن الالقاب نواب تراب یار جنگ بہادر کے منتخب ہونے کی عام مسرت پر۔ (یہ تحریر جناب صفی ہی نے لکھی ہے)۔

ہے آج مقننہ میں اس بات کی دھوم ؛ یعنی ہوئے منتخب سعید مخدوم
تیئس ۲۳ ہیں ان کو جو ملے چودہ ۱۴ ووٹ ؛ بے شک ہیں مدد پر ان کی چودہ معصوم

ہر ایک سے ملاپ مسرت کے ساتھ ہے ؛ برتاؤ جس کسی سے ہے عزت کے ساتھ ہے
مشق سخن بھی داد سخن بھی ہے ساتھ ساتھ ؛ جینے کا لطف تیری محبت کے ساتھ ہے

رونق بزم یہ جو ہم سے ہے ؛ یا جو کچھ دام سے درم سے ہے
ہم میں کیا دام کیا درہم ہی کیا ؛ سارا ہنگامہ ترے دم سے ہے

بے نیاز صلہ و شکر سہی تیرا عمل ؛ تیری آنکھوں میں تمنائے ستائش بھی تو ہے
مجھ کو صنعت کی نمائش میں کہاں لے آیا ؛ کہ ترے شہر میں فاقوں کی نمائش بھی تو ہے

جب تری یاد پاس رہتی ہے ؛ موت کبھی بد حواس رہتی ہے
ہائے کیا خوب چیز ہے معشوق ؛ مرتے دم تک بھی آس رہتی ہے

کہا ایک حضرت نے شاگرد سے ؛ کہ شہرت محال اور مشکل نہیں
کئے جاؤ تنقید اور اعتراض ؛ اگرچہ کہ حق تم حاصل نہیں

دیکھنے کو ہم نے بھی دیکھے ہیں صدہا آدمی ؛ لیکن اب تک تو نظر آیا نہ ایسا آدمی
آپ سے دیوانہ پن کو ہم صفی کے کیا کہیں ؛ ہر تماشے کا تماشہ آدمی کا آدمی!

یہ عید الفطر ان کی ہے جن کے لبوں پہ پان ہو آنکھوں میں سرمہ
بلا تکلف جو دن بھر میں سو بار اڑاتے ہیں سیویاں شیر خورمہ
بے شعوری سے لڑکپن میں تھی نادانی کی عید عشق سے، نوجوانی میں پریشانی کی عید
عید کی خوشیاں منائے اور پھر مجھ سا ادھیڑ کیوں نہ ہوں قربان تو ہے یہ قربانی کی عید
پھر تازہ رنج پہنچا، پھر تازہ آفت آئی جاتی نہیں الٰہی! تقدیر کی برائی
یا صبر کر لیا تھا، یا جبر کر لیا تھا القصہ اب تو دل میں کچھ اور تھی سمائی
اس کا خیال دل سے اتنا بھلا دیا تھا یا اس سے دوستی تھی یا صورت آشنائی
یہ بھی سمجھ چکا تھا۔ سب کوششیں عبث ہیں جب دل میں میل آیا کیا خاک پھر صفائی
نالوں کو روکنے کی عادت بھی ہو چلی تھی یہ بھی سمجھ چکا تھا۔ ہر اس میں جگ ہنسائی
اب کچھ دنوں سے یہ بھی مدِ نظر ہوا تھا دیدار کی تمنا۔ ہے ایک بد نمائی
میں اپنے حوصلوں کا اندازہ کر رہا تھا میں اپنی کر رہا تھا اب صبر آزمائی
راحت نہ تھی تو کوئی تکلیف بھی نہیں تھی کیا شوق وصل کا تھا کیا تھا غم جدائی

دل بھی صفی ہے اپنا۔ ہونٹ اپنے دانت اپنے
کس کی کریں مذمت ہے کس کی کریں برائی

رباعی

تن ڈھانکوں تو آگ پیرہن کو لگ جائے
دیمک جنگل کی تن بدن کو لگ جائے
کپڑا عزت کی چیز ہے مگر دست جنوں!
تجھ سے جو بچاؤں تو کفن کو لگ جائے

مسدس

اس مسدس کے صرف تین بند ہی زینت صفحۂ قرطاس ہیں۔ جناب صفی نے
مسدس کے آغاز میں یہ تحریر لکھی ہے "مسدس بطور درسوخت نوشتہ در ۱۳۲۹ھ

اس پرچہ کو جھینگر چاٹ گئے۔ جتنے بند پڑھے گئے نقل کر لئے گئے"۔ اس تحریر سے واضح ہے کہ اس مسدس کے اور بھی بند تھے لیکن افسوس! شیرینیٔ سخن کی لذت میں جھینگر سارے حروف چاٹ گئے۔

شکوۂ جور و جفا آپ سے کب تک کروں ÷ گلۂ شرم و حیا آپ سے کب تک نہ کروں
التجا ہو کہ دُعا آپ سے کب تک نہ کروں ÷ نہ کروں یوں جو بھلا آپ سے کب تک کروں
کوئی تدبیر بتا دیجیے کہ مر جاؤں میں
جیتے جی آپ ہی کہیئے کہ کدھر جاؤں میں

کیا کروں پھر میں اگر شکوۂ اعدا نہ کروں ÷ تم نہ کرنے کی کرو اور میں پروا نہ کروں
تم تو سب کچھ ہی کرو اور میں اتنا نہ کروں ÷ اپنی والی پہ جو آجاؤں تو پھر کیا نہ کروں
جب ستانے کے سوا تم کو کوئی کام نہیں
سوتے فتنہ نہ جگا دوں تو صفیؔ نام نہیں

ہاں اگر تم سے کوئی بات ہو بے جا تو کہوں ÷ نہ سنو تم میں اگر شمع کو پروانہ کہوں
نہ کہوں اور تو کیا اپنی تمنا نہ کہوں؟ ÷ واہ اچھی کہی حالِ دلِ شیدا نہ کہوں
تم تو پوچھو بھی نہیں حال مرے رونے کا
مہربان بندے سے ایسا تو نہیں ہونے کا

مسدّس [ناتمام]

ابتداء میں جناب صفیؔ نے لکھا ہے:۔

"مسدّس [ناتمام] بہ تقریب گُل پوشی محمد شرف الدین صاحب ساکن محلّہ دیوڑھی عالم علی خان"۔

نہیں معلوم محمد شرف الدین صاحب کون تھے جو محلہ دیوڑھی عالم علی خان [محبوب کی مہندی] میں رہتے تھے مگر یہ یقینی ہے کہ جناب صفیؔ ان سے بڑے خاص مراسم دوستی رکھتے تھے اپنی غزل کے ایک مقطع میں بھی اپنے ان دوست کی گلپوشی کا ذکر کیا ہے۔ قلمی دیوان مرتبہ جناب عمر یافعی صاحب میں مقطع اس طرح ہے:۔

جی بہلنے کا صفیؔ سامان نہیں کوئی تو کیا
خیر شرف الدین کی تقریب گل پوشی سہی

بعد میں دوسرے مصرعہ کو یوں بدل دیا:

خیر اپنے دوست کی تقریب گل پوشی سہی

بہر حال اس مسدس کے تیرہ بند ہیں۔ مسدس پڑھ جایئے تو محسوس ہوتا ہے کہ اپنے دوست کی تقریب گل پوشی کے پُر مسرت موقع پر پھولوں سمانے کی بجائے جناب صفیؔ کے دل کی کلی مُرجھاتی رہی۔ گل افشانی گفتار کی بجائے شکوہ و شکایت زمانہ، جور و جفا اور آتش ہجر کی چنگاریاں شرر افشانی کرتی نظر آتی ہیں۔ اب کون اس راز کو افشا کرے۔ واقف رموز سب فنا کی نیند سو گئے اگر ناتمام مسدس مکمل دستیاب ہو جاتا تو شاید تقریب گل پوشی میں مرثیہ خوانی کی وجہ سمجھ میں آتی۔ کچھ بھی ہو لیکن صفیؔ کے جذبات دل پُر سوز کا غذی پیرہن اوڑھے ان کے دیوان کے نگار خانے میں محفوظ رہ گئے:

کہا دل نے کہ اس شعر و سخن سے باز آئے ہم ؛ جو ہو بدنام سب میں ایسے فن سے باز آئے ہم
اب ایسی چال سے ایسے چلن سے باز آئے ہم ؛ کہاں تک آخر اس بے ہودہ پن سے باز آئے ہم
نہ ہوں مشہور اگر شاعر تو یہ ہم کو ہی آ منّا
مگر کہلا کے شاعر اچھے خاصے بھانڈ کیوں بننا

کہیں شادی ہوئی تو بس ہوئی سہرے کی تیاری ؛ کسی نے پائی خدمت تو قصیدہ لکھ لیا بھاری
کسی کا سال رحلت ہے بصد اظہار غم خواری ؛ کہیں سن ولادت میں شریک رحمت باری
کروں کیوں شاعری، میں کیوں بنوں گم راہ دیوانہ
پرائے گھر کی شادی اور عبداللہ دیوانہ

ملامت ختم جب اپنے دل شوریدہ سر نے کی ؛ مجھے اپنے ارادے سے سمائی درگزرنے کی
تامل کر کے سوچا پائی میں نے سر بسر نیکی ؛ مگر اک بات یاد آئی مجھے جو تھی کبھی ڈرنے کی
نہیں ہوتا ہے ڈر تو زور کا زر کا حکومت کا
زباں کی لاج ہے یا پاس ہے ہم کو محبت کا

یہ کیسا نام چھیڑا کون یہ ہم کو ستاتا ہے ؛ یہ ظالم کون ہم کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتا ہے
یہ ٹھنڈا کیوں نہیں دل. کون یہ ہم کو جلاتا ہے ؛ ابھی اچھے تھے پھر یہ کیوں کلیجہ منہ کو آتا ہے
الٰہی کیا کریں ضبط محبت ہم تو مرتے ہیں
یہ نالے تیر بن بن کر کلیجے میں اُترتے ہیں (داغ)

جہاں چرچا نہ تھا میرا وہاں چرچا کیا اُس نے ؛ مری عزت ڈبوئی خلق میں رسوا کیا اُس نے
کھول کیا اب کہ میرے ساتھ اب تک کیا کیا اُس نے ؛ غرض. جو کچھ کیا اچھا ہوا اچھا کیا اُس نے
خط تقدیر سمجھوں اس بت بے پیر کا لکھا؟
اجارہ کچھ نہیں یہ ہے مری تقدیر کا لکھا

بھلا کس سے کہوں جور آدن میں سر کو دُھنتا ہوں ؛ کبھی تارے کبھی گنتا ہوں کبھی تنکے کبھی چنتا ہوں
وہ اک آتش ہے جس سے دل ہی دل میں اپنے بھنتا ہوں ؛ ذرا یہ کہے کوئی کہ تیرا حال سُنتا ہوں
فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سُننے والے میں

خطا ہوتی ہے میں انسان ہوں تقصیر ہوتی ہے ؛ کبھی جلدی تو اکثر کام میں تاخیر ہوتی ہے
زباں مری اگرچہ شاکیٔ تقدیر ہوتی ہے ؛ مگر ہر حال میں ہر شعر میں تاثیر ہوتی ہے
نہ نالوں کا نہ آہوں کا نہ یہ فریاد کا رنگ ہے
مری محنت خدا کی دین ہے استاد کا رنگ ہے[1]

کہاں وہ ولولے وہ جوش وہ ارمان وہ حسرت ؛ کہاں وہ آرزو وہ دل وہ شوق و ذوق وہ وحشت
کہاں وہ عقل سے اَن بن کہاں وہ ضعف کی طاقت ؛ کہاں وہ شکل ہے میری کہاں وہ اسکی ہی حالت
میں پروانہ ہوں وہ جو شمع کو خاموش پاتا ہے
میں بلبل ہوں مگر اُس گل کا جو مرجھا جاتا ہے

---

[1] یہ بند جناب صفی نے دیوان میں قلم زد کر دیا تھا لیکن ہمیں اسے لکھ کر گستاخی کرنے کا اعتراف ہے۔

اگر نیکی کسی سے کی بدی سے پیش وہ آیا ÷ سمجھ کی بات تو الٹے اُسی نے مجھ کو سمجھایا
ہنسایا میں نے جس کو اس نے مجھ کو خوب رلوایا ÷ غرض دنیا میں بدلہ دوستی کا دشمنی پایا

مرا سوزیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

ابھی تک ہم اسی کو زینت محفل سمجھتے ہیں ÷ اسی کافر ادا کو پیار کے قابل سمجھتے ہیں
وہی ہے جان اپنی سب جسے قاتل سمجھتے ہیں ÷ دکھاتا ہے ہمارا دل جو اسکو دل سمجھتے ہیں

یہاں اب تک نہیں کچھ فرق اپنے دوستانے میں
مگر آواز طوطی کی کہاں نقار خانے میں

اگر کوئی کہے راحت ہے وہ جو آشنائی ہے ÷ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس میں کچھ بھلائی ہے
یہ سچ ہوگا مگر اپنے تو دل میں یہ سمائی ہے ÷ کہ یہ بے ہودگی ہے بے دلی ہے بے حیائی ہے

کسے دیوانہ می گوید کسے مستانہ می گوید
غرض ہر شخص مارا از خرد بیگانہ می گوید

بھلا پھر سب تو سب یہ دن نصیب اپنے دکھاتے ہیں ÷ کہ وہ بھی اب ہمارا رنگ اپنی طرز اُڑاتے ہیں
خدا کی شان ہے معشوق بھی عاشق کہاتے ہیں ÷ تو رہ رہ کر ہمارے دل میں کیا کیا وہم آتے ہیں

محبت قاعدے سے کی ہے مے خواری طریقے سے
کئے ہیں ہم نے بھی یہ کام لیکن کچھ سلیقے سے

وہ ظالم بے وفا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا ÷ نتیجہ یہ بُرا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا
ہوا کیا اور کیا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا ÷ نہ ہوگا وصل یا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا

اگر دانستم از روز ازل داغ جُدائی را
نمی کردم بہ دل روشن چراغ آشنائی را

داستان بمبئی

جناب صفی، نواب معین الدولہ کے ہمراہ بنگلور گئے تھے۔ اپنی ایک غزل کے مقطع میں وہاں اپنے قیام کا ذکر کیا ہے:

کیا لطف سیر ذوق تماشا کہیں صفی ؛ کُل سات آٹھ دن تو رہے بنگلور میں

لیکن بمبئی جانے کا ذکر اپنے کسی شعر میں نہیں کیا۔ سوانح نگار کے لئے بھی یہ سوال تشنۂ تحقیق رہا۔ ابھی حال میں مَیں نے نواب مظہرالدین خاں (خلف الرشید نواب معین الدولہ بہادر) شاگرد صفی سے اس بارے میں پوچھا تو نواب صاحب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ لیکن متذکرہ نظم " داستان بمبئی" دیکھنے سے یقین ہوتا ہے کہ جناب صفی نے بمبئی کا سفر کیا تھا اور وہاں رہے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے ملے۔ بمبئی والوں کی زبان اور ان کے عجیب طرز کلام کو سُنا۔ وہاں کے بازارات اور مختلف سواریوں کو دیکھا۔ وہاں کے مناظر اور سمندر کی سیر سے لطف اندوز ہوئے تھے۔

صفی کے استاد جناب کیفی حیدرآبادی نے بھی بمبئی کا سفر کیا تھا۔ انہوں نے بمبئی کے سفر کی یاد میں تیرہ شعر کی نظم بعنوان "بہار بمبئی" کہی تھی جو ان کے مجموعہ کلام "کلام کیفی" (صفحہ ۵۰) میں درج ہے۔ دو شعر ملاحظہ کیجئے:

کیا کھنڈالہ کیا سمندر سب ہیں حیرت کے مقام ؛ اک سحرگاہ ہے ترب و جوار بمبئی
آدمی ہر ملک کا ہر وضع کا موجود ہے ؛ ایک عالم کا خلاصہ ہے دیارِ بمبئی

اپنے استاد کے تتبع میں صفی نے دس شعر کی یہ نظم لکھی ہے۔ حرفِ ردیف وہی بمبئی ہے اور قافیہ بدلا ہوا ہے:

دیکھنے میں آئے ہر ملت کے ہر مذہب کے لوگ ؛ اب وہ نو وارد ہوں یا باشندگان بمبئی
پارسی۔ گجراتی۔ میمن۔ مرہٹے کثرت سے ہیں ؛ یک زبان ہیں سب کے سب پیر و جوان بمبئی
کچھ عجب بولی، عجب لہجہ۔ عجب طرز کلام ؛ سو زبانوں سے بنی شاید زبان بمبئی
صاف ستھری، خوش مزہ خوش رنگ۔ پاکیزہ نفیس ؛ خالی از حکمت نہیں جنس گران بمبئی
چلتے ہیں وکٹوریہ۔ بائیسکل۔ موٹر۔ ٹرام ؛ آتے جاتے ہیں اسی پر ساکنان بمبئی
خوب جی بھر کے نہیں کی ہم نے چوپاٹی کی سیر ؛ ہائے وہ منظر کہ جسکو کہئے جان بمبئی
ہے اسی کی یاد اسی کی دھن۔ اسی کا تخلخہ ؛ بمبئی میں پڑھ رہا ہوں داستان بمبئی
چھوڑ کر دیکھیں گے۔ یہ کبھی چھوٹتی ہی یا نہیں ؛ ایک دن ہم یوں کریں گے امتحان بمبئی
لوگ خوش ہو ہو کے سنتے ہیں یہاں کے واقعات ؛ اور میں رہ رہ کے کرتا ہوں بیان بمبئی

دیدہ و دل کی ضیافت بھی ہوا کی دم بدم ÷ ہم رہے جتنے دنوں تک میہمان بمبئی

قطعہ

قطعہ کے عنوان سے بارہ شعر لکھے ہیں۔ جو کچھ بھی لکھا ہے عرض ہے، معروضہ ہے گذارش اور التماس ہے:

اے محمدِ عاجزاں جو بندۂ آرام خلق + صاحب تیغ و قلم، جاہ و حشم، جود و کرم
ہے تصنّع یوں مرے نزدیک وقت عرض حال + ہو صریحاً عیب جیسے شعر میں پہلوئے ذم
کام ایسا جس کا ہم دردی پہ ہوتا ہے مدار + لوگ ایسے دوسروں کو تو کہیں اپنے کو ہم
وجہ استغنا ہوئی مایوسی تدبیر و بخت + داغ بھی سوزِ فلاکت کا ہے کم از کب درم
یوں تو خوش خطا بھی ہوں لیکن خطِ قسمت ہیں نہیں + اس سے پھر کیا نفع جو ہو بھی گیا گوہر رقم
اس قدر آشوبِ پامالی ہیں بے سامانیاں + کچھ نہیں سرمایۂ تسخیر جز نقش قدم
بزم ہے یا رزم جو کہہ لو بیاضِ شعر ہے + نغمہ ہے یا گریہ جو سمجھو ہے آوازِ قلم
صبر سچا ہو تو کوئی پیاس میں غصہ پیئے + اشتہا کاذب اگر ہو تو کوئی کھائے قسم
نوکری عنقا ہو ایسی اور موسم کا یہ حال + ایک آفت؟ ایک ہیئت؟ ایک صدمہ؟ ایک غم؟
ہوں دو عملی میں پھنسا حرف مشدّد کی طرح + ہے مگر ناکامیوں میں کام کا میرا بھی دم
جو ہے یہ ہے، عرض، معروضہ، گذارش، التماس + مختصر یہ ہے خدا کھولے نہ دشمن کا بھرم

شرم می گوید مگو تکلیف می گوید بگو
در بیان عرض مطلب ہائے خود در حیرتم

نظم

بعد عنوان یہ نظم ہے۔ نظم کے آخر میں بس اتنا جناب صفی نے لکھا:-
"محبی مولوی عبدالحلیم بیگ صاحب ضاہر کی فرمائش"

قابل حیرت ہی اپنے دین و دولت کا زوال ÷ مل نہیں سکتی ہی دنیا میں کہیں اس کی مثال
دین کا جو حال ہو وہ واعظوں سے پوچھیے ÷ اور دولت کے لئے کیجیے امیروں سے سوال

مشترک دونوں زبانوں پر فقط اک حرف ہے ؛ یعنی "لا" بس جو سمجھے اب سمجھ کا ہی کمال
ہے ادب بھی خوف بھی مانع کہوں تو کیا کہوں ؛ آدمی کو چاہیئے، ہر بات کا رکھے خیال
بن گئی ہے ملک کی آب و ہوا مُہر دہن ؛ کس دو عملی میں پھنسا ہوں ہائے یہ ہیں اور یہ حال؟
واعظوں کو کچھ اگر لکھیئے تو ڈر تکفیر کا ؛ اور امیروں کو جو کچھ لکھیئے تو جینا ہو محال
چین سے گزران ہوتی پھر نظر آتی نہیں ؛ سوچ کر انجام ہو جاتے ہیں جذبے پائے مال
دین کی تو خیر ہو گی آخرت میں پوچھ گچھ ؛ آئینہ ہو جائے گا ہر اک پہ اپنا اپنا حال
مال تو زینت ہے اک بہر حیات دنیوی ؛ یعنی ہو دنیا چلانے کے لئے انسان کو مال
ہاں نہیں ہے درہم داغ جگر تک بھی نصیب ؛ عاشقوں کا بھی ہوا ہے اس زمانے میں یہ حال
پوچھیئے جس سے مزاج افلاس سے اس کا خراب ؛ دیکھیئے جس کو روپے کے واسطے ہے جی نڈھال
آسرا ہے زندگانی کا فقط اب قرض پر ؛ اور پھر ہے قرض کا آسان ملنا بھی محال
ساہوکاروں کی ایسی خود غرضی کہ اللہ کی پناہ ؛ جس کو دیکھا کھینچتا ہے اپنی ہی لدّی پہ دال
اپنی اپنی انجمن سے قرض لیجیئے آج سے ؛ چین میں جان اپنی رکھیئے اور جتن سے اپنا مال
اپنی جان و مال کی مالک ہے جو سرکار ہے ؛ دوسروں نے کر دیا ننگا یہ کر دے گی نہال
کہہ دیا سب کچھ مگر جو بات بھی وہ رہ گئی ؛ شاید اس کے بعد آئے اس کا وقت قیل و قال

ہے صفی کی نظم اب چاہے اثر ہو یا نہ ہو
یہ صدائے صور ہے بھائی نہ آوازِ بلال

قطعہ

یہ ایک بڑی پُر اثر نظم ہے جس میں شکوۂ بخت بھی ہے اور شکایت زمانہ بھی۔ یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ انتہائی پریشانیوں، مجبوریوں اور ضرورتوں کے باوجود ہر کسی کے آگے دست سوال دراز کرنا اپنی شان خودداری اور پاس وضعداری کے خلاف جانتے تھے۔ دو ایک ان کے قدر دان تھے جو ان کے حُسن طلب کے رمز شناس تھے۔ ایسے ہی ایک قدر دان سے وہ مخاطب ہیں۔ گمان غالب ہے کہ ممدوح نواب معین الدولہ بہادر ہی ہوں گے:

بخت برگشتہ نے اب میرا بنایا یہ حال ؛ اپنا جینا بھی ہوا جان کا میری جنجال
کیا لکھوں کیا نہ لکھوں ضبط شکن دردو الم ؛ کیا کہوں کیا نہ کہوں صبر طلب رنج و ملال
چارہ گر سے نہیں ممکن کہ کرے اس کی دوا ؛ ہم نشیں سے نہیں امید کہ پوچھے احوال
وقت کہتا ہے کہ پھیلا کہیں دامان طلب ؛ وضع کہتی ہے کہ اٹھے نہ کبھی دستِ سوال
کبھی ہم رنگیِ دنیا، کبھی تقلیدِ سلف ؛ عرضِ مطلب کی کبھی دھن کبھی عزت کا خیال
کبھی سودائے معیشت میں سرِ تن بھی گران ؛ کبھی ارمان فراغت میں دل و جان بھی وبال
سنگِ رہ میں جو بنوں لوگ لگائیں ٹھوکر ؛ سبزہ سا خاک نشیں ہوں تو کریں سب پامال
مجھ کو یک رنگیٔ عسرت نے پڑھایا ہے سبق ؛ ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں یہ ماضی و حال
نفع کی فکر میں ہر طرح کا دیکھا ہے ضرر ؛ اوج کی کھوج میں ہر طور سے پایا ہے زوال
اپنی راحت کے زمانے کو ہوں ایسا بھولا ؛ جس طرح خواب فراموش کا رہتا ہے خیال
درد کام اپنا جو کر جائے تو کیا پاؤں چین ؛ غم اثر اپنا دکھائے تو رہوں کیا خوش حال
اس پریشانی میں کس طرح نہ دل گھبرائے ؛ اس تردد سے طبیعت ہو کس طرح نہ نڈھال
آپ ہیں شانِ کرم، کانِ کرم، جانِ کرم ؛ آپ ہیں نیک روش، نیک چلن، نیک خصال
آپ کے عدل و سخاوت کی نہیں کوئی نظیر ؛ آپ کے بذل و عنایت کی نہیں کوئی مثال

میری امید بر آئے مرا مطلب نکلے
آپ کو شاد رکھے صاحب اکرام و جلال

قصیدہ

بغیر عنوان و تاریخ اکسٹھ شعر کا یہ قصیدہ نواب معین الدولہ بہادر کی پچاس سالہ سال گرہ کی تقریب میں لکھا اور پیش کیا تھا۔ یہ قصیدہ جناب صفی کی شخصیت کا عکس اور ان کی صاف گوئی، بے ریائی، بے جا دربار داری و چاپلوسی اور خوشامد سے دوری اور خود داری کی آن بان کی منہ بولتی تصویر ہے۔ مؤلف نے اس نظم کا عنوان قصیدہ لکھا ہے:۔

آج تک اپنے وطن میں کہ وطن سے باہر ؛ میری آنکھوں نے بھی دیکھے ہیں ہزاروں منظر
اس طرح ساتویں ذی قعد نہیں دیکھی تھی ؛ آج کے دن کا نہیں دیکھا کوئی دن ہمسر
آج سرکار کی یہ سال گرہ کا دن ہے ؛ اور اس رسم سے واقف ہے ہر اک فردِ بشر
سال ہوتا ہے شروع آج سے اکاون واں ؛ میرا اللہ عطا ان کو کرے عمرِ خضر
یہ بھی اک عید ہے گویا ہے نمک خواروں کی ؛ ہاں مگر میرے لیے عید سے بھی ہے برتر
عید۔ اک مشترکہ جشن ہے دنیا کے لیے ؛ آج کی عید میسر ہو ہر اک کو کیوں کر
عید میں نذر تو ہوگی مگر اسپورٹس کہاں ؛ عید ہے خاص تو آئیں گے نگر عام کدھر
نیزہ بازی یہ کہاں عید کے دن ہوتی ہے ؛ سوچنا کون ہے اس کام میں ہر نفع وضرر
عید میں ہوتی ہے پیغام رسانی یہ کہاں ؛ سائکل ریلے جسے کہیے یہ الفاظِ دگر
چلد گھوڑوں پہ سواری ہوئی کس عید کے دن ؛ میوزیکل رائڈ میں دیکھے تھے کہاں ایسے نڈر
پلو فیٹنگ بھلا ایسی کہاں دیکھی تھی ؛ اسپ چوبیں پہ نظر آئے تھے کب ایسے ہنر
اونٹ کس عید میں دوڑائے گئے تھے ایسے ؛ اور پھر وہ بھی دو فرلانگ کے اندر اندر
عید کے روز کہاں ہوتی ہے یہ پیدل دوڑ ؛ کب سپاہی کی مدد کرتے ہیں ایسی افسر
عید میں لوائز ڈرل کا یہ سماں کب دیکھا ؛ یہ ہے بس کو دکس و ذی قعد کا اک صاف اثر
کھینچا جاتا ہے کہاں عید میں ایسا رسّا ؛ اُٹھتے جاتے ہیں کہاں آدمی یوں گر گر کر
قہقہے عید کے دن ایسے کہاں لگتے ہیں ؛ گونجے جس سے یہ فضا۔ اور یہ سارا منظر
سب تو سب۔ مَیں نے کہاں نظم پڑھی ہے ایسی ؛ کب دکھائے تھے کسی عید میں اپنے جوہر
آج ہر آدمی مسرور نظر آتا ہے ؛ اس نگر کو مَیں کہوں آج سے مسرور نگر
الغرض عید جو ہے عام خوشی کا دن ہے ؛ اور یہ خاص خوشی۔ خاص خوشی کا منظر
عام کو خاص پہ ترجیح نہیں ہو سکتی ؛ اور بس اس سے زیادہ نہیں عرضِ احقر
ان دلائل سے بھی مانیں جو نہ میرا کہنا ؛ پڑھ دوں یہ شعر مَیں بے ساختہ اُن کے منہ پر
مَیں ہوں نادانیٔ ابنائے وطن کا شاکی ؛ اور خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوش تر
گل مقصد چمنِ دہر میں دیکھا ہی نہیں ؛ جیسے بے پھول کا پھل سارے پھلوں میں گولر
مَیں جو اکسیر کو چھولوں تو وہ مٹی ہو جائے ؛ لال کو ہاتھ لگاؤں تو بنے وہ پتھر

گر شتر مرغ کو کہیے کہ ذرا اُڑ تو سہی ⁛ تو وہی اونٹ ہوں میں۔ اونٹ اُڑے گا کیوں کر
اور اگر اونٹ سمجھ کر کوئی لادی لادے ⁛ تو کہے صاف۔ پرندہ ہوں میں دیکھو مرے پر
ہے یہی حال صفیؔ کا کہ اُدھر بیچ میں ہے ⁛ نہ گدا ہے نہ تونگر۔ نہ اِدھر ہے نہ اُدھر
اس لیے آتا ہوں گھر چھوڑ کے دوڑا دوڑا ⁛ تھا یہ ارشاد کہ "اس گھر کو سمجھ اپنا گھر"
آج تک میں نے عمائد کی نہیں کی تعریف ⁛ آج تک میں اُمرا کا نہ ہوا مدحت گر
آج منظور ہے تعریفِ معین الدولہ ⁛ آج کرتا ہوں میں دل کھول کے تعریف مگر
حد سے بڑھ کر نہیں آتا ہے غلو کا برتاؤ ⁛ آج تک مجھ میں اوائل سے ہے اتنی تو کسر
اٹھتی جاتی ہیں زمانے سے پرانی باتیں ⁛ آج سنواؤں بھلا اُن کو تو کیسا؟ کیوں کر؟
وہ نہیں ہوں کہ جو دارا کو بناؤں دریاں ⁛ وہ نہیں ہوں کہ سکندر کو کہوں آئنہ گر
وہ نہیں ہوں کہ کہوں جم کو کبھی اک جام گزار ⁛ وہ نہیں ہوں کہ فریدوں کو کہوں دولِ اختر
فائدہ کیا جو کروں جھوٹ سے کسر کسرٰی ⁛ نفع کیا ہے جو کہوں کچھ نہیں قصرِ قیصر
قول ہی کیا ہے وہ جس قول کی اُڑ جائے ہنسی ⁛ بات ہی کیا ہے وہ جس بات کا ہو پاؤں نہ سر
اِس طرح اپنے ہر اک شعر کی ہے قدر مجھے ⁛ جس طرح بت کو کرے سجدۂ خود اول بت گر
آپ ہی کیجیے انصاف۔ کہ میرے سرکار ⁛ سچی تعریف ہو کیا آپ کی اس سے بڑھ کر
وہ خطا پوش ہو۔ بے کس سے کرو عفو خطا ⁛ وہ عطا کوش ہو مفلس کو کرو صاحبِ زر
خفگی کا ہے یہ عالم کہ زباں پر نہیں کچھ ⁛ دل کسی سے جو پھرا۔ پھیر لی بس اس سے نظر
جان کر ہوتے ہیں انجان وہ آقا ہیں آپ ⁛ سن کے ہو جاتے ہیں خاموش ہیں ایسے سرور
کوئی وابستہ جو ہو تیرِ حوادث کا شکار ⁛ آپ ہو جاتے ہیں خود اس کے لیے سینہ سپر
بے دلیل آتا ہے ہر ایک کی نیکی پہ یقیں ⁛ حتی الامکان برائی نہیں کرتے باور
وہ تخاطب کہ ہو جس طرح برابر والا ⁛ ہو جو کم فہم وہ ہو جائے سے اپنے باہر
محفل خاص میں بھی عام کی شرکت ہے قبول ⁛ میں نے دیکھا نہیں اس طرح کا بندہ پرور
عارضی ہوتی ہے جو کبھی ہو غضب کی گرمی ⁛ جس طرح گرم طبیعت نہیں تھرمامیٹر
شرفا کی ہے بہر طور رعایت منظور ⁛ غربا پر ہے ہر اک طرح عنایت کی نظر
ہاں ہر اک طور سے ہے اپنے قدیموں کا لحاظ ⁛ ہاں ہر اک طرح سے ہے اپنے ندیموں کا اثر

مہراس رنگ کا ہی دودھ میں جیسی شکر	قہر اس لطف کا ہی کھانے میں جس طرح نمک
بے غم و رنج کسی طرح سے ہو جائے بسر	چاہتے ہیں کہ گزر جائے ہنسی اور خوشی
مجھ سے دل شاد رہیں سب مرے نوکر چاکر	ہو نہ رنجیدہ مری بزم میں آنے والا
بخشتے ہیں بد گہروں کو بھی تو الماس و گہر	زر ہی کیا چیز۔ جواہر سے کیا مالا مال
جس طرح جوہری ایک آنکھ میں پرکھے جوہر	آپ انسان کی پہچان میں ایسے کامل
عیب پوشی سے زیادہ نہیں دنیا میں ہنر	میں سمجھتا ہوں کہ ہیں خوب سمجھتے سرکار
خاص جوہر بھی ہیں ان خوبیوں کے قطعِ نظر	میرے آقا تجھے اللہ سلامت رکھے
مملکت کے جو قواعد ہیں وہ ہیں سب ازبر	سلطنت کے جو فوائد ہیں وہ سب نوکِ زباں
اپنے اجداد کی تقلید کے بہتر خوگر	ملک و مالک کی بہی خواہی کے ہر دم عادی
آلِ اولاد کا گلزار رہے بارآور	آپ دل شاد تو گھر آپ کا آباد رہے
اور تشتی پہ رہے اور اس کا رسول	ہو خدا آپ کی امداد پہ اور اس کا رسول
رہے ہر حال میں ہر رنگ میں مالک پہ نظر	ضعف آئے نہ کبھی قوتِ ایمانی میں

اب رہی میری گزارش! تو بھلا میں کیا چیز
آپ سے کیا میں کہوں۔ آپ امیر اکبر

پندِ بے سود

نظم

جلسۂ انجمن اِمداد باہمی محدود محکمہ نظم جمعیت صرف خاص مبارک
منعقدہ ۲۵ ربیع المنور ۱۳۴۸ھ م ۲۵ مہر ۱۳۳۸ف روز شنبہ

جناب کیفی حیدر آبادی مشاعروں کے علاوہ قومی مجالس اور جلسوں میں اپنی حکیمانہ اور اصلاحی نظمیں پڑھتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جناب صفی نے بھی ابتداء میں اپنے استاد کی پیروی میں اصلاحی نظمیں لکھی تھیں۔ اس دیوان میں ان کی دو نظمیں ہیں ایک "پندِ بے سود" جس کے ستر شعر ہیں۔ دوسری بغیر عنوان ہے جو چھتیس ۳۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں نظمیں انجمن امداد باہمی محدود محکمہ نظم جمعیت صرف خاص مبارک

کے سالانہ جلسوں کے لئے لکھی گئی تھیں۔ ان دونوں نظموں میں سود اور سود کی برائیوں اور نقصانات کا بڑا پر اثر نقشہ کھینچا ہے اور سودی قرض سے دور رہنے اور بچنے کی درد مندانہ اپیل کی ہے اور اگر قرض لینے کی مجبوری ہے تو انجمن امداد باہمی سے حاصل کرنے کا مشورہ دیا ہے جو سود کی لعنت سے چھٹکارہ دلانے اور بلا سودی قرض دینے پر سرگرم عمل ہے۔

یہ نظم "مجلہ مکتبہ" جلد [۴] شمارہ [۳] میں معتمد انجمن کے تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ نظم کی شاعرانہ خوبیوں اور جناب صفی کے اعجاز سخن اور کمال فن پر معتمد انجمن نے بہت موثر انداز میں نوٹ لکھا تھا۔ ہم اس نوٹ کی نقل کرتے ہوئے "مکتبہ" کی مطبوعہ نظم کی بجائے دیوان میں بقلم خود لکھی گئی نظم پیش کرتے ہیں:۔

"حضرت صفی اورنگ آبادی [حیدرآبادی] کسی رسمی تعریف و توصیف کے محتاج نہیں۔ یہ اپنے تغزل کی بدولت کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے ثبوت میں آپ کا وہ رنگین اور پر اثر کلام ہے جو آج عوام سے لے کر خواص تک کی زبان پر ہے۔ بزم سرور ہو یا محفل سماع، کوئی اس سے خالی نہیں۔ لیکن اب آپ کی شاعری قومیات و اخلاقیات میں جذب ہو رہی ہے۔!

ملک و قوم کو آپ کے استاد حضرت کیفی حیدرآبادیؒ کی گرما گرم مجالس قومی میں ایک خاص اسپرٹ پیدا کرنے والی شاعری کے فقدان کا جو افسوس تھا شاید وہ اس نظم کے پڑھنے کے بعد باقی نہیں رہے گا اور بے ساختہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے ع: "شکر صد شکر کہ شاگرد بہ استاد رسید" فیضان سخن کسی خاص شخص کا حصہ نہیں، ہر دماغ اس سے استفادہ کر سکتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ ہر منظوم میں شعریت نہیں ہوتی! یہ "منصب جلیل" کچھ اور ہی رتبہ رکھتا ہے ہر ما و شما کے نصیب میں نہیں! نظم پڑھئے اور اعجاز سخن کے مزے لیجئے! مضمون کی روانی، زبان و بیان، اثر و تاثیر، بال باندھے غلام ہیں!

موضوع خشک؟ قوافی معدود؟ مثنوی کی بحر؟ اور بحر اپنی خصوصیات پر حاوی؟ یہ شاعری نہیں! معجز بیانیاں ہیں اور پھر اس پر یہ عجز نفس؟ "یہ ہی تلوار لیکن زنگ خوردہ + یہ ہی آئینہ لیکن گرد آلود؟ نہ عبرت اس عبارت سے ہی ظاہر نہ لذت اس حکایت میں ہی موجود؟"

ہمارے ہم انجمنوں کے لئے پیوستہ سالانہ رپورٹ کا ع: "یہ گویا اک طرح سے کا ہے خلاصہ" اور پھر منظوم ہے، پُراثر ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ اس کو پڑھیں گے اور بار بار پڑھیں گے! ملک کے ادبی مذاق اور زندگی رکھنے والوں سے توقع ہے کہ اس کو دیکھیں گے کہ ہمیں بھی ایک ایسا شاعر مل گیا ہے! ایک خشک موضوع پر ایسی نظم؟ ع:۔
میں کیا کہوں خدا کی قسم شاعری ہے یہ"

پندِ بے سود

نظم

جلسۂ انجمن امداد باہمی محدود محکمہ نظم جمعیت صرف خاص مبارک منعقدہ ۲۵ ربیع المنور ۱۳۴۸ھ م ۲۵ مہر ۱۳۳۸ف روز شنبہ۔!

اگر ہو پند میں تاثیر مفقود ؛ تو ایسی پند ہو گی "پندِ بے سود"
صداقت میں اثر ہوتا ہے لیکن ؛ صداقت اِس زمانے میں ہے محدود
صداقت وہ نہیں! جو کاغذی ہو! ؛ صداقت وہ ہے! جس سے خوش ہو معبود!
زباں پر آدمی کی ہو وہی بات ؛ کہ ہے جو بات، اُس کے دل میں موجود
مگر ہے شاعری کا رنگ کچھ اور ؛ نری سچ بھی کبھی ہوتی ہے بے سود
اثر کو فاتحہ پڑھتے ہیں شاعر ؛ صداقت سے تو جلتا بھی نہیں عود
صداقت میں ہو تھوڑی شاعری بھی ؛ تو پھر حاصل بھی کچھ ہوتا ہے مقصود!
مگر موضوع بھی ہو کچھ مزے دار ؛ اگر ایسا نہ ہو تو لطف نابود
یہی مشکل مجھے بھی آ پڑی ہے! ؛ اگر ہے جھوٹ، تو جھوٹا ہے مردود
خُدا لگتی کہے! کوئی خدا دوست ؛ بھلا، شاعر کرے کیا اس میں افزود؟
یہ قصہ، ہے وہی پارینہ قصہ ؛ جو ہے نظم جمعیت ہے محدود
وہی ہے باہمی امداد منظور ؛ وہی ہم دفتروں کی سعیِ بہبود
یہ ہے اِس انجمن کا، تیسرا سال ؛ ابھی تک تو ہوا، ہر کام مسعود
رپورٹ، اِس سال جو اس کی چھپی ہے ؛ وہ گو چودہ ہی صفحوں میں ہے محدود

مگر یہ سب کے سب ہیں کار آمد ؛ ہر اک شی ہے، مع اعداد و معدود
قیام انجمن کا ذکر ظاہر ؛ نظام انجمن کا حال، موجود
کیے ہیں، تین تختے اِس میں شامل ؛ کہ جن میں درج ہے سب حبِ معہود
حقیقی نفع و نقصان آمد و خرچ ؛ نہیں اپنی طرف سے کچھ کبھی افزود
ہر اک صیغے کا بہرِ ماضی و حال ؛ توازن ہے، بطرزِ نیک و مسعود
لکھے ہیں اِس میں اسمائے اراکین ؛ جو ہیں، اِس کام میں ہر طرح خوشنود
مراتب سب ہیں خدمت کے برابر ؛ عمر مفلوک ہو۔ یا زید۔ محدود
مری اک نظم بھی اس میں چھپی ہے ؛ بنا رکھا ہے جس نے مجھ کو محسود
مگر، خوش ہوں کہ میں حاسد نہیں ہوں ؛ ادا ہو کس زباں سے شکرِ معبود
قلم کا غزنی، ہے میری لڑائی ؛ نہیں درکار، گولی اور بارود
کروں کیوں، گفت و گو، ترکی بہ ترکی ؛ دعا ہے، دے سمجھ، ایسوں کو معبود!
وہ، مالک ہے! بنادے ہست کو نیست ؛ وہ، خالق ہے! کرے نابود کو بود
تو ہاں! دفتر بھی ہے اِس انجمن کا ؛ نہیں ہے، کام کچھ اُس کا بھی بے سود
وظیفہ پاتے ہیں اِک صاحب اُس سے ؛ کہ وہ کرتے ہیں کام۔ آمد ہے محدود
دعا پر ختم ہے یہ سال نامہ ؛ دعا اُس کی، جو ہے مقبول معبود
نظام الملک۔ آصف جاہِ سابع ؛ جسے مد نظر ہے سب کی بہبود
دعائیں بھی کروں، ہے فرض میرا ؛ ہر اک سامع سے، ہے "آمین" مقصود
الٰہی! از طفیلِ ماہِ میلاد ؛ خدا وندا! بحق شاہِ مولودؐ
کر اس کے دشمنوں کو خوار و برباد ؛ دکھا! شانِ دعائے حضرتِ ہودؑ
یہ، گویا اِک طرح کا، ہے خلاصہ ؛ اگرچہ، ہیں مرے اشعار معدود
رپورٹ، اِس کو کہو، یا سال نامہ ؛ کہ ہے امرود جام۔ اور جام امرود
اب اِس سے آگے آخر کیا کہوں میں ؛ سخن کوتاہ، راہِ فکر مسدود
اگر کچھ ہے، تو گنجائش ہے اتنی ؛ بس، اپنی رائے کر سکتا ہوں افزود
تو اس احقر کی ذاتی رائے یہ ہے ؛ کہ، یہ ہے اِک کارِ نیک و مسعود

اسے، ہے باہمی امداد درکار ∴ نہیں ہے انجمن کچھ طالبِ جود
نہ شخصی فائدہ، ہے اس کا مقصد ∴ نہ ذاتی سودمندی اس کا مقصود
نہ ہو سکتا ہے، اس میں کچھ کم و بیش ∴ نہ کر سکتے ہیں، اس میں کچھ غش آلود
کتاب اس کی نہیں ہے شاخ در شاخ ∴ حساب اس کا، نہیں ہے سود در سود
یہ خود ہے، آپ اپنی شاہدِ کار ∴ یہ خود ہے، آپ ناقد، آپ منقود
پڑھو، پڑھ کر، ذرا سمجھو بھی اس کو ∴ لکھا ہے اس میں سب مذموم و محمود
یہاں تک تو، ہوا حال انجمن کا ∴ مگر، ہے شاعری کا لطف مفقود
یہ ہے تلوار، لیکن، زنگ خوردہ ∴ یہ ہے آئینہ، لیکن، گرد آلود
نہ عبرت، اس عبارت سے ہے ظاہر ∴ نہ لذت، اس حکایت میں ہے موجود
نہ، یہ حالِ کلیم اللہ و فرعون ∴ نہ، یہ ذکر خلیل اللہ و نمرود
نہ، تعریفِ ضیائے دستِ موسیٰ ∴ نہ، توصیفِ ادائے لحنِ داؤد
پھر اس پر ایک یہ بھی ہے مصیبت ∴ جو، کر دیتی ہے ہر جذبے کو نابود
ادھر، ہے عیب تکرارِ قوافی ∴ ادھر، ہیں قافیے معدود و محدود
نہیں معدود و محدود! اسکو مانا ∴ مگر، سب کب ہیں میرے حسبِ مقصود؟
سبب اک اور اس سے بھی بڑا ہے ∴ کہ، جس سے بے مزہ ہے میری شدآلود
کہاں میں؟ اور کہاں جلسے؟ کہاں نظم؟ ∴ کہاں میں! اور کہاں قرضے؟ کہاں سود؟
میں! اک شاعر ہوں! پھر وہ بھی غزل گو! ∴ مرا رنگِ سخن مخصوص و محدود!
جو میرے رنگ کے اشعار ہوتے ∴ تو، ہوتے ان میں لاکھوں حسن موجود
نہ یہ ہے داستانِ قیس و لیلیٰ ∴ نہ یہ وصفِ ایاز و مدحِ محمود
لب و دنداں نہیں ہیں لعل و گوہر ∴ دلِ سوزاں نہیں ہے مجمرِ عود
یہاں پروانہ بے پر، نہیں عشق ∴ تو، ہوگا حسن پھر کیوں شمعِ بے دود
اشارے میں کہوں، کیا حرفِ مقصد ∴ کنائے میں کروں کیا شرحِ مقصود
خیالِ جدتِ تمہید، بے کار ∴ کمالِ ندرتِ تشبیہ بے سود!
نہ میری نظم میں، گل ہے نہ بلبل ∴ نہ، اس میں کوئی شاہد ہے نہ مشہود

مگر پوچھو کسی شاعر کے دِل سے ؛ کہ ہو موضوع جس دَم خشک و محدود
رہے پیشِ نظر پھر صاف گوئی ؛ ملیں پھر قافیے بھی اس کو معدود
تو پیش آتی ہے کیسی کیسی مشکل ؟ ؛ ارادے کیسے ہو جاتے ہیں نابود؟
بہت خونِ جگر کھاتا ہے شاعر ؛ نہیں کچھ شاعری حلوائے بے دود!
یہ اک بڑی ہے! مگر اے سننے والو! ؛ اگر اِس انجمن سے کچھ ہے مقصود؟
تو اتنا اور اک احساں ہو اِس پر! ؛ خدا رکھے تمہیں خوش حال و خوشنود!
یہ ستّر شعر ہیں پڑھنے کے قابل ؛ ہے اِن میں قاری و سامع کی بہبود
نہ دیکھو کچھ! صفیؔ کی نظم دیکھو! ؛ ہوا کرتا ہے پیارا، اصل سے سود!

نظم جلسۂ انجمن امداد باہمی

متعلقہ دفترِ نظامت صرفِ خاص مبارک

جیتے جی بھی ہوتے ہیں انسان پر لاکھوں عذاب ؛ کیا کروں میں ان کی گنتی کیا بتاؤں میں حساب
ایک اُن میں قرض وہ بھی قرضِ سودی کی بلا ؛ جس کو یہ لپٹی۔ ہوا پھر اس کا گھر کا گھر خراب
پہلے تو یہ ہے کہ قرض آسان بھی ملتا نہیں ؛ بے توسط کون ساہوجی کے ہاں ہو باریاب
باریابی بھی ہوئی تو چاپلوسی چاہیئے ؛ ہو مہاراجہ زباں پر اور کبھی عالی جناب
اک غرض مند ایک بے پروا خدا کی شان ہے ؛ ہے کبھی آدھی تسلی اور کبھی سوکھا جواب
یہ خوشامد عاجزی گر ہو کسی معشوق کی! ؛ عاشقِ ناکام ہو مقصد میں اپنے کامیاب
بیچ والے کا بھی حقِ سعی ہے ٹھیرا ہوا ؛ کچھ کما لیتا ہے حسبِ مقدرت وہ بھی ثواب
چیز پر۔ تنخواہ پر۔ جاداد پر قرضہ مِلا ؛ وہ بھی جس کی تین میں گنتی نہ تیرہ میں حساب
ایسے پیاسے کی طرح مقروض کی حالت ہوئی ؛ دوڑے جو پانی سمجھ کر اور وہ نکلے سراب
تنگی میں ستر ہاتھ آئے تو بڑی دولت مِلی ؛ اب ہو کیا کم سر کا سودا اور دل کا پیچ و تاب
مطمئن ہونے لیا تھا قرض۔ وہ اک خواب تھا ؛ فکرِ ادائی کی گلے ڈالی یہ ہے تعبیرِ خواب
جس کے ہیں مقروض اس کے آگے منہ کھلتا نہیں ؛ گھر میں رہ جاتی ہے ساری شان و شوکت رعب و داب

ہائے کن کن کو کیا ادبار نے خوار و ذلیل ÷ لاکھ کے گھر خاک ہیں! فلاں کا ٹھاٹ خراب
نام دفتر ہیں۔ بھٹا پا لو ہیں۔ راحت ذہن میں ÷ ہاتھ خالی اور فتح خاں۔ جیب خالی اور نواب

یہ ہماری زندگی کی نیم رُخ تصویر ہے
یہ ہماری داستاں کا ایک ہی چھوٹا سا باب

ایسی حالت میں ہماری رحم دل سرکار نے ÷ محکمہ قائم کیا اک بے نظیر و لاجواب
باہمی امداد جس کا خاص نصب العین ہے ÷ فائدہ جس سے اٹھا سکتے ہیں سارے شیخ و شاب
اس کی سالانہ رپوٹیں بھی ہوا کرتی ہیں طبع ÷ اس کے اغراض و مقاصد کی بھی ملتی ہے کتاب
اِس میں لکھے ہیں قواعد بھی بڑی تفصیل سے ÷ اور تقریریں بھی ہیں حکام کی با آب و تاب
صدر دفتر ہے وہ لیکن پھر ہر اک دفتر میں بھی ÷ اس کی اِک اِک شاخ کھولی ہے زرِ انتساب
چوں کہ اِس دفتر میں بھی یہ کام جاری ہو چکا ÷ ہو چکے ہیں جس سے اکثر کامگار و کامیاب
پہلا سالانہ یہ جلسہ اس کا ہے۔ سنیئے رپورٹ ÷ اب تو روشن ہو گیا کیا ہے خطا کیا ہے صواب
اب یہ ہے دفتر کا دفتر۔ انجمن کی انجمن ÷ آپ ہی اپنی مثال اور آپ ہی اپنا جواب
میر مجلس اور نائب میر مجلس۔ معتمد ÷ ان میں ہر اک بے نظیر و بے عدیل و انتخاب
پھر اراکین و محاسب بھی ہیں اس کے سب امیں ÷ جوڑتے ہیں پیسے پیسے پائی پائی کا حساب
میں بتاؤں نام کس کس کا میں سناؤں کس کا وصف ÷ میں کروں کس کس کو مخاطب میں کروں کس سے خطاب
نام سے کیا کام ہے مطلب ہے دیکھو کام کو ÷ قطرے کو دریا نہ ذرے کو بناؤ آفتاب
بعض ناموں کی تو گنجائش بھی ہے اس میں محال ÷ اس لیے یہ شجرہ لکھنے سے کیا ہے اجتناب
گر کروں مدح و ثنا تو جتنے انساں اتنے منہ ÷ جلتے ہیں اِتنی زبانیں کیا ہے اس کا سدِ باب
کیوں دلیلیں پیش کر کر کے بنوں میں خود ذلیل ÷ کیوں جواب ان کے ادا کر کر کے ہوں میں لاجواب
پر کا یہ کوا بنائیں حرف کی یہ داستاں ÷ اور کیا کیا کچھ کہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
سب سے افضل اور بہتر تو یہی اک بات ہے ÷ وہ دعا مانگیں کہ جو ہو جائے فوراً مستجاب
یا الٰہی دم قدم سے جن کے ہر دم ہے ہمیں ÷ ذوقِ بیداری میسر اور حالِ لطفِ خواب
وہ ہیں حضرت آصفِ سابع رئیس المسلمین ÷ علم پرور۔ علم گستر۔ رحم دل۔ گردوں جناب
دوست اولاد آل اس کے شاد اور خرم رہیں ÷ ہر جگہ ہوں کام بخش و کامگار و کامیاب

رکھے زمیں پہ اُس کو یوں سب میں بڑا مالک مرے
سارے سیاروں میں جیسا آسماں پر آفتاب

رجب ۲۴ - تاریخ ۲۴ شعر سنہ ۱۳۵۹ھ [خانہ باغ شہ گنج]

متذکرہ تحریر جناب صفی نے اس بلاعنوان نظم پر لکھی ہے۔ اس کے بعد اشعار لکھے ہیں۔ اس نظم کے دو حصے ہیں۔ ایک میں غزل سرائی ہے جس کے بارہ شعر ہیں۔ دوسرے حصہ میں قصیدہ خوانی اور مدح سرائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار نواب معین الدولہ کے کسی فرزند کی شادی کے موقع پر ان کے بنگلہ "خانہ باغ شہ گنج" میں لکھے ہیں :-

ہو دوست مہرباں تو ضرورت حجاب کی ∴ دُنیا بدل گئی دل پر اضطراب کی
کیا جانے رند کیفیت نشۂ وصال ∴ دیکھی نہیں ہے آنکھ مرے مستِ خواب کی
جو دل کہیں لگائے اُسی سے یہ پوچھیے ∴ ہوتی ہے ایک ایک گھڑی کس عذاب کی
جب قہرمانِ عشق دکھاتا ہے اپنا زور ∴ چلتی نہیں ہے پیش کچھ افراسیاب کی
دم بھر کو ٹوٹتا ہی نہیں آنسوؤں کا تار ∴ ندی اُترتی ہی نہیں چشم پُر آب کی
معنی ہیں اور۔ عشق کی تاثیر اور ہے ∴ سمجھاؤں کیا۔ یہ چیز نہیں ہے کتاب کی
دیکھو جمالِ شمع پتنگے کی آنکھ سے ∴ بُلبل کے دل میں ڈھونڈیے عزت گلاب کی
الفت کو کیا نمائشِ ظاہر سے واسطہ ∴ رہتی نہیں ہمیشہ سیاہی خضاب کی
کہتے ہیں جس کو حسن وہ مستور ہی رہا ∴ کس نے حقیقت اس کی بھلا بے نقاب کی
اب یہ جو عرفِ عام ہے۔ دراصل عشق ہے ∴ کرتا ہے پیش آئنہ صورت حباب کی
جن کو خبر ہے وہ تو ہیں خاموش۔ جس طرح ∴ گونگے کا خواب۔ گونگے کو تعبیر خواب کی
تاکیدِ ضبطِ آہ سے منہ بند کر دیا ∴ گھر کی بُری ہے عشق جلالت مآب کی
جب حسن اپنی شان سے ہوتا ہے رونما ∴ رہتی نہیں تمیز حضور و غیاب کی
اس بزم میں بھی جلووں کی بہتات دیکھنا ∴ خنجر بنی ہر ایک کرن آفتاب کی
یہ دن ہے کامیابی کا۔ نوشہ ہے کامیاب ∴ محفل میں چھاؤں تک نہیں ناکامیاب کی
ایجاب اور قبول کی تاثیر کیا کہوں ∴ لڑ بندھ گئی ہے دل سے سوال و جواب کی
ہر لحظہ ایک حسن مجسم ہے ہم خیال ∴ اب بحث ہی نہیں ہے خطاب و عتاب کی

کلامِ صفی

یہ سب طفیل کس کا ہے سرکار کا طفیل ؛ اک دل لگی ہے بارگہِ مستطاب
ہیں عشق و حسن دونوں بھی شرمندۂ کرم ؛ قربان ہیں دعائیں مجیب دعاب
ممکن نہیں ہر ایک سے دو دل کا جوڑنا ؛ سرکار کو جزا ملے اس انقلاب
یہ پرورش کے ڈھنگ ہیں یہ پرورش کے رنگ ؛ ہے آج صرفِ مدح زبان شیخ و شاب
میں بھی اُمیدوار عطا ہوں۔ عطا جو ہو ؛ لے لوں بلائیں ہر نظرِ انتخاب
اُن کی عطا کے آگے ہے فکرِ زمانہ کیا ؛ دریا کے آگے کیا ہے حقیقت سراب

میرے یہ شعر آپ ہی اپنا جواب ہیں
جس طرح آفتاب دلیل آفتاب کی

نظم

یہ نظم بلا عنوان ہے۔ اس کے بیالیس ۴۲ شعر ہیں۔ نظم پڑھنے سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ زمانے کی ناقدریوں سے تنگ آکر سارا الزام اپنے دل اور اس کی بے جا خواہشات پر لگایا ہے کہ اس کے کیا کیا ناز اُٹھانے پڑے اور جو نہ کرنا تھا وہ بھی کر گزرے اس بات کی شکایت کی ہے کہ بڑا بُرا زمانہ انہیں ملا۔ نہ قدرِ علم و ہنر ہے نہ اربابِ کمال کا کوئی پرسان۔ عجیب وقت آیا ہے کہ بے علم کنجوس اور بزدل امیر بنے بیٹھے ہیں:-

اب کہاں ہے وہ رنگ لیل و نہار
ہائے اے آسمان کج رفتار

نہ تو وہ لوگ ہیں نہ وہ باتیں !!
نہ وہ عادات ہیں نہ وہ اطوار !
رہ گئیں ہیں کہانیاں باقی !
جن کے مضمون سے ہمیں ہے عار
واقعہ۔ من گھڑت بنا افسوس
کام کی چیز ہو گئی بے کار

وہ رئیس اب کہاں زمانے میں
جن کے دربار کو کہیں دربار

وہ امیر اب کہاں ہیں دنیا میں
جن کو لکھیں حضور فیض آثار

اشرفی جن کے پاس وہ اشراف
برسر کار جو ہیں۔ وہ سرکار

نام لکھنا بھی جن کو یاد نہیں
کیا کہوں ان کے علم کا معیار

وہ بہادر کہ چیخ کر اُٹھیں
خواب میں بھی جو دیکھ لیں تلوار

اور کہنے کو کیا؟ فلانے جنگ
نام سننے سے جن کا۔ آئے بخار

اور ایسے سخی کہ سائل کو
دیں نہ اک حبّہ۔ گالیاں دیں ہزار

ایسے نیچے خیال کے انسان
اور اونچی مکان کی دیوار

موم دل کیا ہوں ایسے مکھی چوس
شہد کھائیں نہ خود۔ جو ہوں بیمار

ٹھوکریں ماریں ایسے نیک روش
دل کے ٹکڑے کریں وہ خوش گفتار

پانوں میں بوٹ۔ آنکھ پر عینک
ہاتھ میں بید۔ اور منہ میں سگار

علم دینی ہے اس اُجالے کا
کہ پڑھیں مقبر دل میں استغفار

ہائے اب ہم کہیں تو کس سے کہیں ؟
"کارِ درویشِ مستمند بر آر"

ان کو اپنے سگے عزیز نہیں
غیر تو غیر اس کا کس میں شمار

ہیں وہ محتاج کھنڈیوں کے لئے
کون ؟ تسکین دے جو ان کو اُدھار

رحم کھائیں نہ یہ کسی پہ کبھی
ہو تو استاد ان کا ساہوکار

یہ مہاجن بہی بغل میں لئے
بس ہمیشہ ہر ان کے سر پہ سوار

چون اگر کی تو دعویٰ ٹھونک دیا
آپڑی کچھ جو سود کی تکرار

ہاں وکیلوں سے یہ بہت خوش ہیں
ان کو سُو کی جگہ بھریں گے ہزار

ایسے مرجائیں تو خُدا جانے
کیا قیامت اُٹھائیں زیرِ مزار

یہ تو مُردوں کو بھی ستائیں گے
ایسے ناقابل ایسے ناہنجار

اُٹھ گئی جب کہ قدرِ علم و ہُنر
کس سے اس کا کوئی کرے اظہار

اور کچھ ہے تو ہے غریبوں کو
ہیں جو بے چارے آپ ہی نادار

قدرِ مفلس کی کیا کرے مفلس
"خفتہ را خفتہ کے کند بیدار"

کہو پھر کس کی ہم کریں تعریف
جھوٹ کہتے سے کیا نہ آئے عار

رنج کھا کھا کے تنگ آیا ہوں
خون پی پی کے ہوگیا بے زار

کروں اب اپنی کچھ دوا درمن
کہ نہ پیدا ہو اور کچھ آزار

فکر تیری بھلا کروں کب تک
تجھ کو موت آئے اے دلِ بیمار

تیرے بہلانے کو پڑھے ناول
تیرے سمجھانے کو پڑھے اخبار

تجھ کو مَیں نے لہو پلایا ہے
پھر بھی اب تک ہی تشنۂ دیدار

تیری تفریحِ طبع کی خاطر
کچھ حسینوں کو بھی کیا ہی پیار

عشق کا بھی مزہ چکھایا تجھے
کہ ہو تیرا دماغ برسرِ کار

وہم سایہ سپٹ کا بھی کچھ تھا
تو کیا ہم نے نقش۔پائے یار

آتشِ حُسن نے تجھے سینکھا
کہ کہیں دب گئی نہو کچھ مار

دامن وصل کی ہوا بھی دی!
کہ اُتر جائے کچھ تو تیرا بخار

داغ فرقت بھی دے کے دیکھا تجھے ؛ کہ یہی تھا علاج آخر کار
تو بھی اچھا نہیں رہے گا کبھی ؛ "اے زبردست زبردست آزار"

نظم

بغیر عنوان نظم مثنوی کی بحر میں ہے۔ جناب صفیؔ نے اپنے ایک دوست "مرزا سردار" کی شادی کی مسرت میں یہ نظم لکھی ہے۔ پہلا حصہ تشبیب کا ہے موسم بہار، آسمان پر ابر چھایا ہوا اور ہلکی پھوار، طوطیوں کے ترانے اور طایروں کے چہچہے۔ ہر جگہ سرسبزی اور ہر طرف شادابی۔ اپنے نازک قلم سے الفاظ کی رنگ آمیزی کا کام لیا ہے اور دلکش منظر کشی کی ہے آخر میں شادی اور محفل آرائی کا ذکر ہے:

آیا آبان۔ آئی طرفہ بہار
نظر آتی ہے ہر گلی گلزار

ابر ہے آسمان پر چھایا
لطف دیتی ہے ہلکی ہلکی پھوار

طوطیوں کے ترانے ہیں ہر سو
نغمے بلبل کے ہیں ہزار ہزار

چہچہے طائروں کے ہیں اک سمت
اور موروں کی ایک سمت پکار

ٹکڑیاں ٹکڑیاں بطیں ہیں ادھر
اور بگلے اُدھر قطار قطار

پتی پتی ہے باغ کی سرسبز
ڈالی ڈالی چمن کی صاحب بار

بوٹے بوٹے پہ دلکشی صدقے
غنچے غنچے پہ دلبری ہے نثار

نہیں لالے کو آج جوشش خون
چشم نرگس نہیں ہے اب بیمار

وجد میں خانقاہ میں صوفی؛
رقص میں مے کدے میں ہیں مے خوار

یہ سماں اور ہائے یہ موسم!
اب کسی دل کو کس طرح ہو قرار

نہیں اپنے میں کوئی عیش پرست
نہیں نخچلا کوئی طبیعت دار

دیکھئے جس کو شاد و خُرم ہے
ملئے جس سے وہ بے پئے سرشار

مجھ کو دُہری خوشی ہے آج کے دن
اپنے صدقے ہوں صورت پرکار

وہ خوشی جس کو کہتے ہیں شادی
سنّت خاص سید ابرار

میرے اس دوست کی یہ شادی ہے
نام جس کا ہے مرزا سردار

ہر اقارب پہ اس کا خاص اثر
دوستوں میں ہر اس کا خاص وقار

جمع ہیں دوست بھی اعزّہ بھی
آج دل شاد ہیں صغار و کبار

بزم یہ بزم جم سے بہتر ہے
شاہد حال ہیں در و دیوار

نہیں نغمہ ہی وجہ گرمیٔ بزم
حسن کی بھی ہے گرمیٔ بازار

دل سے اس دم دُعا نہ نکلے کیوں
کیوں نہ ظاہر ہو واجب الاظہار

شاہد رویت

ہلال ربیع الآخر ۱۳۶۰ھ

چھوٹی سی دلچسپ نظم ہے۔ ہلال کو دیکھ کر محبوب کا چاند سا چہرہ یاد آتا ہے جسکے آگے چاند بھی ماند ہے۔ جو ہلال کی طرح عروج وزوال کے مرحلے سے نہیں گزرتا۔ زمین کے چاند کو آسمان کے چاند پر ترجیح کی وجوہات صفی سے سنیئے۔

چاند دیکھا ربیع آخر کا ؛ کیا نکیلا ہے، کیا منور ہے
دیکھ کر اس کو دیکھتے ہیں غنم ؛ رسم دنیا کی یہ مقرر ہے
سال میں ایک بار اس کی حیات ؛ ایک ساعت کے اندر اندر ہے
اور ہر وقت۔ ہر گھڑی۔ ہر دم ؛ دید تیری ہمیں میسّر ہے
ہر مہینے اسے زوال و عروج ؛ کبھی گھٹ کر، کبھی یہ بڑھ کر ہے
اس کا مظہر زمین کی گردش ؛ جس کی اتنی پکار گھر گھر ہے
اُس کو دیکھیں، سلام تجھ کو کریں ؛ یہ ہے بہتر کہ تو ہی بہتر ہے
یہ ہے مجبور۔ وقت کا پابند ؛ تو ہی مختار بندہ پرور ہے
یہ کہیں ہے کہیں نہیں ظاہر ؛ واسطے سب کے تو برابر ہے
تیرا دیدار، رات دن حاصل ؛ اس کا جلوہ جو ہے گھڑی بھر ہے
تو ہی نزدیک اور دور ہے وہ ؛ تو زمیں پر وہ آسمان پر ہے

منظوم خط

اپنے ایک دوست فیض الدین صاحب کے نام یہ منظوم خط ہے۔ فیض الدین صاحب نے شاید صفی سے کہا تھا کہ ان کا تخلص "صفی" کچھ ٹھیک اور موزوں نہیں ہے اور اسے بدل دینے کا مشورہ بھی دیا۔ صفی نے اُن سے پوچھا ہے کہ آپ خود اپنی پسند کا کوئی اچھوتا، عام فہم، دو حرفی یا چار حرفی تخلص تجویز فرمائیں تو قبول کرنے میں مجھے عذر نہیں :۔

نیرِ آسمان بہار زمین
میرے محسن جناب فیض الدین

آپ کے فیض سے نہیں خالی
دامِ صیاد و دامنِ گُل چین

مشورہ آپ نے جو مجھ کو دیا!
کہ تخلص "صفی" تو خوب نہیں

شکریے کو زبان کہاں سے لاؤں
مجھ کو آتی نہیں چنان و چنین

خوب آنکھی ہی میرے عیب کی بات
آپ کی آنکھ پر ہزار سو تحسین

سنئے سچ مچ بیان کرتا ہوں
آئے اب یا نہ آئے اس کا یقین

کی بہت غور دیر تک سوچا
لفظ ایسا تو سوجھتا ہی نہیں

آپ ہی کہئے کیا تخلص ہو
جس کی اچھائیاں ہوں مہرِ مبین

ہو اچھوتا[۱] بھی ۔ عام فہم[۲] بھی ہو
نہو ثانیت[۳] جس طرح تمکین[۴]

ہو سہ حرفی اگر تو اچھا ہے
چار حرفی بھی ہو تو عذر نہیں

اور مشتق[۵] نہ ہو یہ یاد رہے
یعنے جامد[۶] ہو اور بیان سے قرین

لفظ مفرد[۷] ہو جوڑ[۸] وان بھی ہو
پھر تو راضی ہے یہ نیاز آگین

چار حرفی[۹] جو ہو نہو موقوف[۱۰]
شرط بس آخری ہے یہ دسویں

جس کے پڑھتے ہی چیخ اٹھیں عاشق
جس کے سنتے ہی لوٹ جائیں حسین

جو خود آرا ہوں ان کو خاتم ہو
اور خاتم کے واسطے ہو نگین

دل کو بجلی ۔ نظر کو تیر بلا
عشق کو تلخ حسن کو نمکین

جسم انسان میں جیسے آنکھ کا حسن
آنکھ میں ہو جو مردمک آگہین

کام آنے میں تیشۂ فرہاد
نام پانے میں غمزۂ شیریں

جو بنے طوطیائے چشم کور
جو رہے انبساط جان حزین

اہل دل اس کو اپنا دل سمجھیں
اور دل سمجھے موجب تسکین

جس سے حسرت میں ہو مُصقّل رومؔ
جس سے حیرت میں ہو مصور چینؔ

الغرض قصہ مختصر یہ ہے
آپ جو کہیے میں کہوں آمین

زندگی بھر نیاز مند رہوں!
آپ کا آستاں ہو میری جبیں

آپ فرمائیں داد بھی دیجیے
میں کہوں واہ، مرحبا، تحسین

من نمانم ایں بماند یادگار

متذکرہ عنوان پر بیالیس (۴۲) شعر کی نظم ہے جو مثنوی کی بحر میں ہے شکوہ زمانہ اور دُنیا کی مکاریوں کا ذکر ہے اور آخر میں چند اپنے دوستوں کے نام لکھ کر ان کی خوبیوں کو سراہا ہے اور خود اپنے پر بڑا دل چسپ ریمارک کیا ہے:

الاماں اے آسمان بد شعار
تو نے پہنایا ہے داغ غم کا ہار

اف ری تیری تفرقہ پردازیاں
ہند میں بکتے ہیں کابل کے انار

اصل دل بر سے کوئی بے حد خوش
ہے شب فرقت کوئی اختر شمار

مولوی و مسٹر و شاعر حکیم
تو نے کر رکھے ہیں اک پیسے میں چار

دوستوں کی دوستی ہے لوسے گل
دشمنی دشمن کی ہڈی کا بخار

بھاگتے ہیں مکھیوں سے عنکبوت
اب ہرن کرتے ہیں شیروں کا شکار

ہائے کیا اُلٹا زمانہ آگیا
"ایلوا" اور نام اس کا گھی گنوار

بے وفاؤں کا تصور بے وفا
آنکھ اِدھر جھپکی اُدھر تھا وہ فرار

نیک و بد کا بھی پر کھا اُٹھ گیا
الغیاث اے انقلاب روزگار

ہتھکنڈے سے ہیں اس زمانے کے کبھی
ناسزائے را چو بینی بختیار

سچ ہے مجبوری بھی ہوتی ہے بُری
عاقلاں تسلیم کردند اختیار

ایک جانب شیشہ و ساغر کی لام — ایک جانب مے پرستوں کی قطار
کہتا ساقی کا کہ ہاں جھک کر پیو — مجھ کو دے دے گا مرا پروردگار
روزہ بھی اس طرح کا روزہ رکھا — بوند بھر پانی پہ تھا سارا مدار
نشہ کا کہنا مجھے سر پر چڑھا — عقل کا کہنا اسے دل سے اتار
کہہ کے بسم اللہ جب رکھا قدم — لگ گئی مرے گلے باد بہار
بلبلوں کا عندیہ شور و فغاں — گل کا مقصود دلی سولہ سنگھار
اشرفی کے جھاڑ اُگے باغ میں — باغ باں بھی بن گیا اک مال دار
اُس طرف لالے کا چہرہ سُرخ سُرخ — اس طرف نرگس کی آنکھوں میں خُمار
دوسرے پر ایک کا قابو نہیں — درد بھی اُٹھتا ہے تو بے اختیار
بارش رحمت ہوئی ہے اس قدر — اب تو دل میں بھی نہیں آتا غبار
زحمت خاطر پہ رحمت ہو گئی — ایک نکتے میں ہوئے سو کے ہزار
یاد کرتی ہے ہوائے فصل گل — ہچکیوں کے بدلے آتی ہے ڈکار
اِس طرف کو کپتان پاشو میاں — دور اندیش و خلیق و بُرد بار
اُس طرف کو میرزا محبوب بیگ — دوستوں کے حق میں سچے جاں نثار
ایک جانب جلوہ فرما غوث بیگ — اک طرف اک صاحب عالی وقار
کون وہ دشمن کُش احباب دوست — کون وہ قادر علی خاں دوست دار
جس پہ سو دل۔ دل سے میں صدقے کروں — لاکھ جانیں ہوں تو میں کر دوں نثار
بس یہی ہے لیک اپنی زندگی! — اس کو اچھا رکھ مرے پروردگار
ہاں محمد غالب فرخندہ خو — دوست اوروں کے تو میرے یاد دار
اور جمال الدین ذی عقل و ذکی — ذی مروت رتبہ دان و شرم سار
اور فخر اللہ خاں فخر جہاں — صلح کل۔ مردم شناس و پاس دار
ہاں محمد خواجہ شبلی شمیم — ہیں جو حرف و نحو کے سر رشتہ دار
سب کی سب کے ساتھ اپنی تو کہو — اے صفی تم کون سے ایمان دار
آج کل ہیں آپ کی کل اور کی — تم سے رندوں کا بھلا کیا اعتبار

اور اس پہ کام میں چالاک چُست | ہو ضرورت سے زیادہ ہوشیار
اب جو کرتا ہے دُعا یہ کمترین | سب کہیں آمین اے پروردگار
اپنے نیک و بد کی کس کو ہے تمیز | مرنے جینے کا ہے کس کو اعتبار
اتحاد اے سامعیاں اتحاد | ہوشیار اے ہم نشیاں ہوشیار
میری محنت کام آئی آج کو | سچ تو ہے یہ داشتہ آید بکار
ہاں کسی کی کون سنتا ہے صفی | ہاں پر اپنے دل پہ کس کو اختیار
این ہمہ ہیچ است چوں می بگذرد | بخت و تخت و امر و نہی و گیر و دار

نظمِ دِل کُشا

۱۳۴۵ھ

نظم کا عنوان اور تاریخ جناب صفی کے لوشتہ ہیں۔ یہ تو نہیں معلوم کہ ریاست علی کون ہیں لیکن ان کی شادی کے موقع پر یہ نظم کہی ہے۔ حروف ابجد سے "نظم دلکشا" کے عنوان سے تاریخ شادی (۱۳۴۵ھ) بھی نکالی ہے۔ یہ بڑی پُراثر یادگار نظم ہے آج ہمارے سماج میں لین دین کے مطالبات اور بے جا رسومات نے شادی بیاہ کو جن مشکلات سے دوچار کر دیا ہے اسے سب جانتے ہیں۔ پینسٹھ (۶۵) سال پہلے جناب صفی نے شادیوں میں فضول خرچی، روپیہ پیسہ (جوڑے کی رقم) کے لئے شادی کرنا، سہرا باندھنا، مہندی، ساچق اور بدعتوں کو رواج دینے اور ان پر عمل کرنے کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ ان کی یہ اصلاحی نظم مصلح قوم کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی لیکن شادی کے فوائد، میاں بیوی کے باہم خوشگوار تعلقات اور ان کے رشتہ مناکحت میں منسلک ہونے کی حکمتوں پر جس شاعرانہ اور زبان و بیان کی ساری خوبیوں کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اس سے ان کی ذہانت بلند خیالی اور دردمندانہ احساس کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ایسی مفید نظم ہے کہ اسے گھر گھر مشتہر کریں آج جلے۔

رسوم میں جو خدا کو بھولا، تو پھر ہو کیا خوشگوار شادی
جو خرچ پیسا کھلے خزانے، کہ عقل دی ہی نہیں خدا نے
ہے مقنعہ منہ پہ جو سہرا، چھپا لیا ہے اسی نے چہرا
جو سر کرتوں کا حال دیکھا، یہی بس ان کا خیال دیکھا
ہوئے تو کیا دوست آشنا خوش، ہوا تو کیا خاک سب جتھا خوش
کرو نہ یہ کام بے ضرورت، خلاف عقل و خلاف فطرت
درست ہے "ہر کہ زن ندارد" بجائے "آرام تن ندارد"
ہنوز اگر ہو تو قرض کم ہو، اٹھاؤ بوجھ اس قدر کہ دم ہو
اسی سے ہر دم چہ غم میں گزرے اسی سے ناز و نعم میں گزرے
اسی سے دونی ہو گھر کی زینت اسی سے ہو دور ساری کلفت
بہت سی بکھیاں چھڑا دے، بشر کو یہ آدمی بنا دے
کرائے کاہل سے یہ مشقت، سکھائے یہ نوکری تجارت
ٹلائے لاکھوں بلائیں سر سے، لگائے یہ بے گھر کو گھر سے
یہی ہے دنیا کی زندگانی، یہی جوانی کی ہے نشانی
خوشا مقدر جو گھر سے خوش ہے، ہر ایک اس خوش سیر سے خوش ہے
میسر اس سے ہو گھر کی راحت، سکون دل کا جگر کی راحت
ہماری اولاد اس سے قائم، ہماری اجداد اس سے قائم
جہاں کی آن اس سے قائم، اس آن کی شان اس سے قائم
نہ عیش ہے کوئی اس سے بہتر، نہ دین و دنیا کا اس میں کچھ ڈر
نہیں ہے بے کار یہ ضمیمہ، بھلائیوں کا ہے پیش خیمہ
ستارے پھول اور کلی بنے ہیں، ہمسو کو بے کلی بنے ہیں
نہ اس میں مہندی نہ اس میں سانچق، نہ اور بدعت ہے اس میں مطلق

ہمیں نے دیکھا ہزار دولہا، ہمیں نے دیکھی ہزار شادی
فضول خرچی ہوئی تو جانے، بڑی ہوئی زوردار شادی
پھر اور ٹھہرا ہے اس پہ سہرا، ہے سر پہ گویا سوار شادی
کہیں جو مال و منال دیکھا، تو کر دی بے اختیار شادی
رہے میاں بیوی دونوں ناخوش، تو پھر ہے درکنار شادی
کہے گی ورنہ تمام خلقت ادھار دولہا ادھار شادی
ہو دل سے آوارہ پن زنداوک اگر رہے خوشگوار شادی
بجائے شادی ہمیشہ غم ہو، کرے اگر زیر بار شادی
اسی سے ہر وقت غم میں گزرے اگر ہو بے اختیار شادی
امیر کو وجہ عیش و عشرت، غریب کو پردہ دار شادی
یہ پردے آنکھوں سے سب اٹھا دے، نہ رکھے غفلت شعار شادی
دکھائے مفلس کو راہ دولت، جمائے سب کاروبار شادی
بچائے اسراف بد بشر سے، بنائے پرہیزگار شادی
بہار ہے عمر کی جوانی، جوانی کی ہے بہار شادی
خدا بھی ایسے بشر سے خوش ہے، کرے وہ گو ایک بار شادی
حصول ہو عمر بھر کی راحت، دلائے وہ غمگسار شادی
ہماری بنیاد اس سے قائم، ہماری سررشتہ دار شادی
ہے نسل انسان اس سے قائم، ہے کس قدر ذی وقار شادی
جو سنت حضرت پیمبر، تو حکم پروردگار شادی
ضرور ہو دعوت ولیمہ، اگر کرے دیندار شادی
بنا ریاست علی بنے ہیں، بوجہ صد افتخار شادی
جہاں ہو شادی کی شرح رونق، تو کیوں نہ ہو [illegible] شادی

صفی کی ہر بات ہے نرالی، خیال اعلیٰ ہے فکر عالی
یہ نظم کب ہے اثر سے خالی کہ خود ہے اک مستعار شادی

مژدہ وصل

اپنے دوست شرف الدین کی شادی کی تقریب پہ یہ نظم لکھی ہے۔ نظم پڑھنے سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ شرف الدین، جناب صفی کے یار قدیم اور خاص دوستوں میں تھے اور صفی ان کے اخلاق و کردار سے متاثر تھے تب ہی تو تہنیت عقد پہ ان کی قصدہ خوانی کی ہے:

زہے نشاط یہ فرحت فزا گلون کی شمیم
زہے طرب کہ یہ ٹھنڈی ہوا سحر کی نسیم

ہر ایک کوچہ ہے انبار گل سے غیرتِ خلد
گلی گلی ہے ہر اک رشک باغ ابراھیم

مسرت ایسی مسرت، خوشی بھی ایسی خوشی
ہے اس زمانے میں مدقوق کی بھی نبض عظیم

مگر سبب نہ کھلا کچھ، کہ واقعہ کیا ہے؟
کسی نے کی جو نہ پوری طرح مری تفہیم

زیادہ اور ہوئی فکر، کی بہت کوشش
کھلی نہ فال کوئی۔ گرچہ دیکھ لی تقویم

کہا یہ دل نے کہ ہے کچھ نسبت کی بھی خبر
اسی پہ آپ کو دعویٰ ہے یہ کہ "میں ہوں حکیم"

ہے آج تہنیت عقد اس مکرم کی
کہ جسکی ہوتی ہے احباب میں بہت تعظیم

عقیل و عاقل و مردم شناس و خوش اوقات
خلیق و نیک روش قدرداں، شریف و فہیم

وہ کون، وہ کہ، ہیں نام جسکا شرف الدین
کہ جسکا طرز عمل زاہدوں کو دے تعلیم

تو یہ یہ جو سُنی میں نے بس ہوا یہ شوق
کہ ہے مرا بھی تو ممدوح مہربان قدیم

لکھوں وہ مطلع پُرنور مدح حاضرین
کہ اہل بزم پہ چھا جائے بے خودی کلیم

مطلع ۔۲۔

تو وہ ہے لائق تعریف و قابل تعظیم
کہ اک ہوا ہے ترے بادہ کش کی باد نسیم

لکھے کوئی تری مدحت تو کیا لکھے کوئی
جو لکھنے والے کی مدحت ہو اک کتاب ضخیم

تجھے یہ آج کا دن ہے وہ دن کہ اے نوشاہ
مرادیں مانتے ہیں جسکی شاہ ہفت اقلیم

ترا یہ عقد مُبارک تجھے مُبارک ہو
کہ تو نے کی ہے ادا سنتِ رسول کریم

بلائے چرخ کو یہ خوف ہو ترا دل میں
ادب سے جھک کے بجا لائے دور سے تسلیم

فراق بھی ہو تجھے تو نہ ہو تمیز فراق
کہ جیسے ہو گیا پھر چاند ایک ہو کے دو نیم

کرے جو تجھ کو پریشان وہ پریشان ہو
خوشی کی خے (خ) کو بدل جائے صاف رنج کی جیم

عدو ہو در پئے ایذا جو تیرے ہونے دے
تو پاک باش ہرادر مدار از کسی بیم

ہمیشہ عشرت و راحت میں ہو بسر تیری
بحق سورۂ طٰہٰ و سورۂ حٰم

ترقیوں پہ ہو اقبال، روز افزوں ہو
ہو تیرے ساتھ صفی بھی نیاز مند قدیم

قصیدہ

بلا عنوان سات شعر لکھ کر جناب صفی نے آخر میں یہ نوٹ لکھا ہے:

"یہ قصیدہ کم سے کم چالیس پچاس شعر کا مولوی دلاور علی صفدری مرحوم ساکن عطاپور کی شادی میں لکھا گیا۔ گم ہو جانے سے بنائے یادداشت لکھ لئے گئے۔" ۱۹ بہمن ۱۳۲۹ف

افسوس کیسے کیسے جواہر پارے عروس سخن کے ہوں گے جو گم ہو گئے!

خزاں نے سیکڑوں گلشن میں رنگ بدلے ہیں
رہے مگر گل مضمون ہمیشہ پھول کے پھول!

جناب شیخ کی حبا گیر زہد ضبط ہوئی
کترتے بیٹھے ہیں اب کاغذی نقول کے پھول

کئی دلوں میں یہ منت مراد بر آئی
اثر دعا کے بنے ہیں در قبول کے پھول

ہیں ہی نرگسی چشم عدو سے یرقانی
یہ پیلے پیلے ہیں گویا کہ دو ببول کے پھول

عجیب گل ہیں گل نقش پائے عمر رواں
ہم ان کو سمجھے ہیں افسوس خاک دھول کے پھول

ذرا یہ خندۂ گل دیکھنے کے قابل ہے
خوشی میں کہتے ہیں کیا آج پھول پھول کے پھول

ضرور ان میں ہے اغیار و یار کی تخصیص
صفی کے شعر ہیں کانٹوں کے کانٹے پھول کے پھول

نامکمل قصیدہ

"نامکمل قصیدہ" کے عنوان سے پینتیس ۳۵ اشعار پر مشتمل یہ نظم دیوان میں لکھی ہے اس قصیدہ کے آخر میں جناب صفی نے اس کے نامکمل ہونے کی توجیہ ان الفاظ میں کی ہے:

"یہ بہت بڑا قصیدہ جناب اشرف الدین اشرف کی شادی میں ۱۳۳۴ھ

میں لکھا گیا تھا۔ گم ہو جانے سے جو کچھ بے سلسلۂ شعر یاد آئے بطور یادداشت قلم بند کر لئے گئے ہیں۔"

۲۹ بہمن ۲۹ ۱۳ ف دستخط صفی

کیا کروں اے دلِ آشفتہ و مایوس و علیل
ہاں کچھ اب تو ہی نکال اپنے بہلنے کی سبیل

تیری حجبات ہے عالم میں نہیں اسکی مثال
تیرا جو کام ہے دنیا میں نہیں اس کا عدیل

کیا تری وجہ سے رسوائے زمانہ ہو کوئی
کیا ترے واسطے ہو جائے کوئی سب میں ذلیل

گو تری ملک نہیں ہے یہ سکون و آرام
اس کے دینے میں بھی یہ بخل ہے؟ اللہ رے بخیل

بارہا تری امیدوں کی ہوئی یکسوئی
سیکڑوں وقت ہوئی آرزوؤں کی تکمیل

ہم نے جس طرح ترے ناز اٹھائے ظالم
حکم حاکم کی بھی کرتا نہ کوئی یوں تعمیل

تو بلاؤں میں گھرا ہم نے دیا ساتھ ترا
تو نے کچھ جرم کیا بن گئے ہم تیرے وکیل

نیچ اونچ ایک نہ سوجھی کبھی یاری میں تری
دیکھی ارمان کی خندق نہ تمنا کی فصیل

تو نے وحشت کی لی جنگل میں منائے منگل
آگ کے پھول کو سمجھا کئے گلزار خلیل

شعر اچھا جو سنا ہو گیا از خود رفتہ
حسنِ صورت سے زیادہ ہوا حسنِ تخئیل

اشک خونی سے جو دامن کو مرے آگ لگے
مئے کو پھر آتش سیال سے کیوں دوں تمثیل

ایسی حالت میں بھی تو ہاتھ بٹایا تیرا
جب کہ وحشت میں گریبان نہ دامن کا کفیل

تجھ کو انسانوں سے عار آدمیوں سے نفرت
ہم تو سنتے تھے کہ الجنس الی الجنس لیبل

تیرے ہاتوں سے تو توبہ نہ ہوئی میری قبول
آیا آنکھوں پہ ورم پڑ گئے رخسار میں نیل

تھا سہولت کا کوئی کام لگاتی جلدی
دقتیہ بات تھی کوئی تو ہوئی اس میں ڈھیل

صاف ظاہر ہے کہ دشمن ہے بغل میں گویا
مدعی کار ہے محرم کے مکان میں جو وکیل

تیرا پرہیز ہے دنیا سے نرالا پرہیز
غم کے کھانے میں ہے کثرت تو غذا میں تعلیل

گھیر کر مجھ کو پڑھاتا ہے محبت کا سبق
واہ واہ واہ رے استادی تری قال وقیل

تیری مانون بھی تو کس طرح سے مانون نادان
حرف دعویٰ ہے نہ برہان نہ حجت نہ دلیل

تیرا مذہب ہے جدا تیری عقیدت ہے الگ
نہ یہودی نہ نصاریٰ نہ بنی اسرائیل

قصہ کوتاہ کئے تو نے جو کچھ مجھ سے سلوک
عمر بھر مجھ سے نہ ہو گی کبھی اس کی تفصیل

دل من داند و من دانم و داند دل من — محض بے کار ہے بے سود ہے اسکی تاویل
غیب سے مل گئی آخر مرے دعوے کی دلیل — بن گیا نورِ سحر شاہد اللہ جمیل
باغ بان پھول گیا لے کے زرِ گُل ایسا — کچھ بھی مطلب نہیں قارون سخی ہو کہ بخیل
باغ کی سیر سے اس طرح سے جی سیر ہوئے — لوگ کھاتے ہیں ہوا بھی تو بمقدار قلیل
اس مسرت میں ہر اک سُرخ و سپید ایسا ہے — جسکی مل سکتی ہے کچھ لالہ و نسرین سے دلیل
پھول کا پھل کا اک انبار ہے کل شاخوں پر — ڈالیاں کرتی ہیں گویا عمل جرِّ ثقیل
پرتوِ مہر نے نرگس کو لگایا سکا جل ! — نہ دھواں بن کے ہوا قطرۂ شبنم تحلیل
بیچ میں بلبل و گل کے جو اچھل پڑتا ہے — کہیئے یہ کون ہے فوّارہ نہ قاضی نہ وکیل
دے سکے کون بھلا دخل قصیدے میں مرے — قافیے میں بھی یہاں آ نہ سکا حرف دخیل
حاصل سیرِ گلستان جو کہو تو یہ ہے — خط گل زار میں لکھا ہے کہ اللہ جمیل
زر بھی نکہت بھی، تبسم بھی، اسی میں سب کچھ — دہن غنچہ ہے یا رب کہ عمرو کی زنبیل
یادِ خالق سے پرندے بھی نہیں ہیں غافل — لوگ کہتے ہیں کہ "لیسن" کہا کرتی ہے چیل
نہ عروضی ہوں کوئی میں کہ تجھے سمجھاؤں — خفر، اضمار، ستر، جبن، ترفیل
شاذ ہوتا ہے کہیں ظاہر و باطن یکساں — پوستِ پھل کے ہم رنگ نہیں دانۂ ہیل

نظم "ولیمہ"

حضرت ابو النصر محمد خالدی صاحب مرحوم کی نشان دہی پر میں نے یہ نظم "ولیمہ" ڈھونڈھ نکالی تھی جس کی تفصیلات اپنی تالیف "سوانح عمری صفی اورنگ آبادی" میں بعنوان "نایاب قصیدہ بطرز غالب" پیش کر دی ہیں۔ [ص ۷۹] مختصر یہ کہ جناب صفی نے یہ نظم اپنے قریبی دوست جناب محمد بن عمر صلاح یافعی صاحب کے چھوٹے بھائی محمد بن صلاح یافعی صاحب کے ولیمہ میں سُنائی تھی۔ شادی یکشنبہ ۴ شعبان ۱۳۴۵ھ ہوئی تھی اور دعوت ولیمہ جناب عمر یافعی صاحب مرحوم کے مکان واقع متصل بیگم کی مسجد روبرو مکہ مسجد مقرر تھی۔ یہ نظم جناب صفی نے بر بنائے دوستی و خلوص لکھی نہ کہ عمر یافعی صاحب یا ان کے بھائی کی خواہش، فرمائش یا تقاضہ پر لکھی تھی چنانچہ اس حقیقت کا اظہار

نظم میں بھی کر دیا ہے :

مجھ سے نوشاہ سے نوشاہ کے بھائی سے خلوص
جس قدر آپ سمجھئے۔ اِسے جتنا کہئے

مجھ سے ان دونوں نے کوئی بھی نہ کی فرمائش
ہاں مگر تھا یہی بعضوں کا تقاضہ کہئے

غالبؔ کے ایک قطعہ "چکنی ڈلی" کے تتبع میں یہ نظم لکھی جس کا پہلا شعر ہے :

ہے جو حضرت کے کفِ دست میں چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

ساری نظم صفیؔ کے سخنورانہ حسنِ کلام، قدرتِ زبان اور ان کے خاص شگفتہ اور دلکش اندازِ بیان کی آئینہ دار ہے :

نظمِ "ولیمہ"

ہے عجب طرفہ تماشا جسے دنیا کہیے
اس میں سچے کا مرن ہے تو بھلا کیا کہیے

بزمِ شادی اسے کہیے تو یہ ہے سچی بات
شاعری ہے جو اسے اس سے زیادا کہیے

بزمِ انجم اسے ٹھیرائیے تو ہے تشبیہ
سب کہیں گے یہ طریقہ ہے پُرانا کہیے

خوانِ یغما جو کہیں خوان کو تو۔ بس خوردہ
لوگ سچ سمجھیں۔ اگر کہیے تو ایسا کہیے

کہیے روٹی کو جو رشکِ مہ و خورشید تو پھر
شاہ کا سے کو نہ کیوں گنبدِ خضرا کہیے

کہیے پانی کے کٹورے کو جو حوضِ کوثر
کیوں نہ بریانی کو رشکِ من و سلوا کہیے

تارِ مسند کو بنا دیجیے شعاعِ خورشید
اور مسند کو تو خورشید سے اچھا کہیے

یہ کوئی کہنے میں کہنا ہے الٰہی توبہ
ایسے کہنے کو تو چوں چوں کا مربّا کہیے

یعنے تحقیر کسی شئی کی اگر ہو منظور
ید بیضا کو ہتیلی کا پھپولا کہیے

ہو بڑھانا ہی کسی شئے کا اگر مدِ نظر
بالا خانے کو تو پھر عالمِ بالا کہیے

دل نشیں ہو جو پری رویوں کی تعریف تو پھر
ایسی صحبت کو تو اندر کا اکھاڑا کہیے

باغ میں مردہ دلی دور اگر ہو جائے
نکہتِ گُل کو بہارِ دمِ عیسیٰ کہیے

گوش شنوا ہو تو پھر گُل کو سمجھیے بھرا — چشمِ بینا ہو تو آئینے کو اندھا کہیے
دہن و عارض و گیسو کی ہو تعریف اگر — اسے شیریں اسے عذرا اسے لیلا کہیے
زرِ گل، نکہتِ گُل، جلوہ گُل کی تشبیہ — حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا کہیے
کیجیے پابندیٔ الفاظ سے انصاف کا خون — ہو فرنگی کوئی کالا بھی تو گورا کہیے
ہاں مگر اپنی طرف سے تو نہ کہیے کچھ بھی — یعنی جیسا جسے کہتی ہے یہ دُنیا کہیے
یہ عنایت ہے کسی بد کو اگر کہیے نیک — یہ شرافت ہے بُرے کو بھی جو اچھا کہیے
اس نئی روشنی میں اس قدر اندھیر صفی — دوسرا ہو تو اسے کہیے تمھیں کیا کہیے
ہو جو تاثیر سخن میں اسے جادو کہیے — طبع آجائے روانی پہ تو دریا کہیے
کیوں گُلِ داغِ جگر کو مہِ کنعاں لکھیے — بختِ خوابیدہ کو کیوں خوابِ زلیخا کہیے
فائدہ کیا ہے جو شوقِ دلِ مجنوں لکھیے — واسطہ کیا ہے جو وصفِ رُخِ لیلا کہیے
گنجلک کہنے ہی میں ہے جو کوئی استادی — نہ قصیدہ نہ غزل صرف معما کہیے
بات غالب کی جو تھی ساتھ گئی غالب کے — زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہیے
اب مَیں کہتا ہوں کہ لیجے مرا کہنا سنیے — یہ نہیں عرض کسی سے مرا کہنا کہیے
بات کہنے میں اگر وقت گزر جاتا ہے — آپ ہی سوچ کے کہیے کہ بھلا کیا کہیے
یہ محمد کی ہے شادی کہ جو ہے ابنِ صلاح — اور دعوت یہ وہ ہے جس کو ولیما کہیے
مجھے نوشاہ سے نوشاہ کے بھائی سے خلوص — جس قدر آپ سمجھیے۔ اسے جتنا کہیے
مجھ سے دونوں میں کسی نے بھی نہ کی فرمائش — ہاں مگر تھا یہی لوگوں کا تقاضا کہیے
اور تاکید پہ تاکید تھی ہر دم جاری — زور دے کر یہی کہتے تھے کہ اچھا کہیے
اور یہ مَیں کہ بھلا اپنی کروں کیا تعریف — کوئی کہہ دے جو مری شادی کا سہرا کہیے
دوستانے ہی کو دے دیتا ہوں میں استعفیٰ — اب مجھے آپ بُرا کہیے کہ اچھا کہیے
کارِ افکار کا یہ رنگ کہ "گویم مشکل" — مشق بالکل نہیں اس پر مجھے جھوٹا کہیے
یہ تو اک شکل ہوئی اور "نہ گویم مشکل" — آپ سے طالبِ انصاف ہے بندا کہیے
نہ تحریر کی فرصت تو بھلا کیا لکھیے — نہ تقریر کی طاقت تو بھلا کیا کہیے
ہاں گئی جس کی عنایت سے مری مُردہ دلی — اس کے کہنے کو حریفِ دمِ عیسیٰ کہیے

اب ہوئی سوچ کہ سنگ آمد و سخت آمد ہے — دل میں جو بات ہے آخر اسے کیسا کہیے
کبھی فرصت کا اشارہ کوئی سہرا لکھیے — کبھی غیرت کا تقاضہ کہ قصیدا کہیے
کبھی تفتیش کہ لکھیے بھی تو کیا کیا لکھیے — کبھی تشویش کہ کہیے بھی تو کیا کیا کہیے
کبھی یہ فکر کہ تزئینِ سخن کی خاطر — خوب جی کھول کے نوشہ کا سراپا کہیے
بال کو کہیے وبالِ دلِ حورانِ بہشت — رشکِ ظلمات و حریفِ شبِ یلدا کہیے
زلف کو حبل متیں، سنبل و عقرب لکھیے — کافر طرّۂ طرار و چلیپا کہیے
سرِ نوشاہ کی تشبیہ ہو منظور اگر — آسماں اور اسے خیمۂ لیلا کہیے
مانگ کو لکھیے کہ ہے جادۂ راہ ظلمات — اور پھر کاہ کشانِ شب یلدا کہیے
آنکھ کو مانیے صد غیرتِ چشم آہو — چشم آہو نہ سہی غیرتِ شہلا کہیے
لکھیے رخسار کو گلنار رو گلِ لالہ ہے — اور آئینہ سمجھیے کفِ موسیٰ کہیے
خال کو مشتری و زنگی و ہندو لکھیے — خط کو زنگار و پری، زاغ و بنفشا کہیے
لب کو لکھیے کہ ہے یاقوت و عقیق و مرجاں — اور پھر اس سے سوا خضر و مسیحا کہیے
تنگ کہیے جو دہن کو تو سمجھیے معدوم — کبھی درج گہر و خاتم و غنچا کہیے
سلک الماس سے دانتوں کو جو دیجے تشبیہ — کیوں انھیں اور بڑھا کر نہ ثریا کہیے
سیب لکھیے جو زنخ داں کو تو غبغب کو ہلال — رہی گردن تو اسے گردنِ مینا کہیے
یہ لوازے ہیں چبائے ہوئے سب لوگوں کے — سحر گویانِ سلف کا اسے جھوٹا کہیے
کیوں نباتات، جمادات سے دیجے تشبیہ — کہیے ایسا کہ کہیں لوگ دوبارا کہیے
آدمی اشرفِ مخلوق ہے مسجودِ ملک — اس کی عزت ہے اگر خاک کا پتلا کہیے
آج کی بزم ہے تقریبِ ولیمہ کی بزم — جس کی خاطر سے ہے یہ بس اسے دولھا کہیے
اس نے پائی ہے وہ نعمت جو ملی آدم کو — دوسرے معنوں میں یا پسلی کا جوڑا کہیے
انتظامات اگر بزم کے آجائیں پسند — تو اسے حضرت داعی کا سلیقا کہیے

اور میں نے جو لکھا یہ تو ہے مجذوب کی بڑ
تہنیت اس کو سمجھیے نہ قصیدا کہیے

بسم اللہ خوانی

نہیں معلوم کس کی بسم اللہ خوانی میں یہ نظم بطرز مثنوی لکھی ہے مگر اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بسم اللہ کی تقریب کسی ضلع میں ہوئی تھی اور جناب صفی کو وہاں جانا اور شریک ہونا پڑا تھا۔ نہ صرف شریک ہونا پڑا بلکہ دوستوں کی خاطر اس نظم کو لکھنا پڑا۔ دوستی، مروت اور کچھ ان کی مجبوری اس نظم کی تخلیق کا باعث بنے۔ چھوٹی سی نظم ہے۔ دل چسپ ہونے کے ساتھ جناب صفی کا رجحان طبع، ان کی وضع داری کی آئینہ دار ہے:

مرا پیشہ نہیں ہے مدح گوئی! ؛ مرا شیوہ نہیں ہے مدح خوانی
غزل گو ہوں قصیدہ گو نہیں ہوں ؛ میں اپنی آپ کہتا ہوں کہانی
سمجھتا ہوں کہ لا حاصل ہے یہ طرز ؛ مرے افلاس کی ہے یہ نشانی
مسافر ہوں وطن میں دل ہے میرا ؛ کہاں کی شعر گوئی شعر خوانی
رکھے بچپن میں یہ ہر ایک کو خوش ؛ یہی تو ہے سعادت کی نشانی
جوانی میں نہ ہو بے احتیاطی ؛ بڑھاپے میں نہ آئے ناتوانی
جہاں مدعو کیا ہے ضلع بھر کو ؛ مسافر کی بھی کی ہے میہمانی
یہ ان کا خلق یہ ان کی محبت ؛ یہ ان کی مہربانی قدر دانی
نہ کہیے کچھ تو فرمائیں گے سب لوگ ؛ فقط باتیں ہی باتیں تھیں زبانی
نہ یہ فرہاد و شیریں کا فسانہ ؛ نہ یہ مجنوں و لیلیٰ کی کہانی
ادا بندی نہ یہ زور تخیل ؛ نظیری ہوں نہ خلاق المعانی
نہ لہجہ میر کا مجھ کو میسر ؛ نہ مجھ میں داغ کی سی خوش بیانی

بر دے بدلے پتی کا قلم ہے
سیاہی کے عوض ہے آسمانی

نظم (تاریخ)

نواب بشیرالدین خان مرحوم، نواب معین الدولہ بہادر کے فرزند تھے. خطاب نواب بشیر جنگ تھا. شاعر بھی تھے اور تخلص دلؔ رکھتے تھے لیکن تلمذ جناب صفیؔ سے نہ تھا ان کی شادی نواب لطف الدولہ بہادر (امیر پائیگاہ) کی صاحبزادی شجاعت النساء بیگم صاحبہ سے بارہ دری خورشید جاہ شہر گنج میں ہوئی تھی. جناب صفیؔ کی یہ نظم دراصل تاریخ عقد ہے اس شادی کی مسرت میں انواع و اقسام کی غذاؤں کا اہتمام اور رقص سرور کی محفلوں کا جو انتظام ہوا تھا اس کا نقشہ نوک قلم سے کھینچا ہے.

بہ تقریب عقد نواب بشیرالدین خاں خلف نواب معین الدولہ مرحوم (تاریخ عقد)

تاریخ نیک بنیاد

۱۳۵۸ھ

ربیع الاولیں کی بیس آئی مسرت سی مسرت ساتھ لائی

بشیرالدین خان دولہ بنے ہیں مجھے ہے یہ بشارت انتہائی

بہاریں اور سہرے کی بہاریں پھر اس پر طرہ یہ گل گوں قبائی

معین الدولہ کے دل بند ہیں یہ یہاں دولت کا شیوہ جبہ سائی

انھیں کہتے ہیں سبط آسماں جاہ یہاں ہوتی نہیں سب کی رسائی

مرتب ان کی بزم عقد ہے آج گھٹا ہے عیش کی ہر سمت چھائی

بجے جاتے ہیں ہر سو شادیانے نہیں خاموش دم بھر شاہنائی

احبا کی دعا نے بار پایا اقارب کی مراد دل بر آئی

رفیقوں نے سنوارا کام اپنا بزرگوں نے عطا اپنی دکھائی

امیر اپنے مراتب سے ثنا گو فقیر اپنے قرینوں سے دعائی

نفر ہیں اپنے مالک کے تصدق بشر ہیں اپنے آقا کے فدائی

ملازم شاد ہیں، مہمان خوش ہیں — خوشی ہر ایک دل میں ہے سمائی
نئی وردی میں ہیں سب فوج والے — غضب ہے فل ڈریسوں کی صفائی
لذائذ سے ہیں دسترخوان معمور — مزہ ہے آگیا جو چیز کھائی
سرود و رقص کے لطف آرہے ہیں — بلا ہے گائنوں کی خوش نوائی
بنے ہیں ہم زباں ہندو مسلماں — نظر آتے ہیں سب آپس میں بھائی
تصدق ہے یہ سب دولھا دلھن کا — یہ ہیں ٹوٹے دلوں کو مومیائی
صفی! تو؟ اور ان کا وصف؟ ناداں! — مراحل طے نہوں گے ابتدائی
دُعا دے کہ بس ان سے ہمیشہ — خدا راضی رہے خوش ہو خدائی

اسی انداز میں تاریخ بھی کہہ
فراواں ہو نشاطِ کد خدائی
١٣٥٨ھ

مستزاد

اصناف شاعری میں مستزاد بھی ایک دلچسپ اور انوکھی صنفِ سخن ہے دیوان میں جناب صفی کے صرف دو شعر ہی اس صنف میں دستیاب ہیں۔ یہ دو شعر اہل ذوق کے لئے تبرک سے کم نہیں:

ہم پر اب تیری وہ پہلی سی عنایات نہیں — وہ ملاقات نہیں
وہ تلطف، وہ تواضع وہ مدارات نہیں — یہ تو کچھ بات نہیں

میرے گھر چلنے میں اب آپ کو تکرار ہے کیوں؟ — آخر انکار ہے کیوں؟
کچھ اندھیرا نہیں۔ آندھی نہیں۔ برسات نہیں — دن بھی ہے رات نہیں

نظم [تاریخ]

یہ نظم بھی نواب معین الدولہ بہادر کی فرزند نواب محمد لطیف الدین خاں مرحوم کی شادی کی تاریخ ہے۔ اس نظم میں بھی خورد و نوش کے ساماں اور نعمتوں سے بھرے تھال، بزم رقص و سرود، شعرا کی مدح خوانی اور خیر خواہوں کی دعاؤں کا ذکر اپنے مخصوص شاعرانہ لب و لہجہ میں کیا ہے:

بمسرتِ عقدِ نواب محمد لطیف الدین خاں

خلف نواب معین الدولہ مغفور

تھی تری دیر، میرے حسنِ خیال
مرحبا، مرحبا۔ تعال اتعال

منجھلے نواب کی ہے نوشاہی
کر رہا ہوں جو تیرا استقبال

آج کچھ تو بٹا دے میرا ہاتھ
آج تھوڑا تو میرا کام نکال

آج ہیں رنگِ خاص میں ڈوبے
مشرق و مغرب و جنوب و شمال

آج کا کاج عقد کی تفصیل
اور یہ عقد، عیش کا اجمال

کم سے کم ایک تہنیت ہو جائے
زور اپنا دکھائے سحرِ حلال

میں کہوں تجھ کو۔ ہاں! اک اچھی نظم
تو کہے ہاں "قلم دوات سنبھال"

کیوں نہ دینے سے پہلے خود مانگوں
کیوں نہ پانی سے پہلے باندھوں پال

کاج ہے ایسی پائگا ہوں کا
ہیں جو دو لوں بھی آپ اپنی مثال

ایک مرآتِ تابشِ خورشید
آنکھ بھر دیکھ لے۔ یہ کس کی مجال

ایک اپنے بلند رتبے سے
نیّرِ آسمانِ جاہ و جلال

یہ چھٹی بھی ربیع آخر کی
یاد سے اُترے گی نہ سالہا سال

خدمتی اپنے کام میں مصروف
میہماں شاد۔ سرپرست سبحال

ہے خورد و نوش کا ہر اک ساماں — نعمتوں سے بھرے ہیں تھال کے تھال
ہے ہر اک چیز سامنے حاضر — جی جسے چاہے کیجیے استعمال
ہم جو سمجھتے تھے چھپ نہیں سکتے — کھانے کے گال اور نہاتے کے بال
اس ضیافت میں آ کے دیکھ لیا — اشرا غذیہ کا استعمال
بزم رقص و سرود کا عالم — کیا بیاں ہو کہ ہے یہ امر محال
گائنوں نے لٹا دیا سب کو — بن گئی دل کی چوٹ ہر اک "تال"
شعرا نے بھی مدح خوانی کی — اپنے اپنے دکھائے خوب کمال
خیر خواہوں نے یہ دعائیں دیں — میرے نوشہ! ترے عدو پامال
یوں ہی دودھوں نہائے پوتوں پھلے — تیری اولاد، اور تیری آل
درِ مقصد یہاں نہ کیوں پاتے — گھر میں راجہ کے موتیوں کا کال
ای مخاطب بڑی عنایت کی — تجھ سے اب کچھ نہیں صفی کا سوال
اور بس دو ہی شعر لکھنے دے — اک دعائیہ۔ ایک بہرِ سال
ہر مہم میں ہو کارگر تدبیر — ہر ارادے میں ساتھ دے اقبال

عرض کرتا ہوں مصرعِ تاریخ
عقدِ نوشاہ والدین خصال

۱۳ ھ ۵۸

دو شعر

کیوں کر نہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
(مومن دہلوی)

ہم وہ ہیں کبھی منتِ اعدا نہ کریں گے
مر جائیں گے ایسا تو کیا تھا نہ کریں گے
(صفی اورنگ آبادی)

قطعہ تاریخ محمد شفیع بیدل [۲ ربیع الآخر ۱۳٦۹ھ]

مخلص بیدل کا ہوا ازدواج ٭ نیک ہوئی یکم دوّم ربیع
مصرع سال اس کا صفی نے کہا ٭ رحمتِ دل عقد محمد شفیع

۱۳٦۹ھ

قطعہ تاریخ

بھائی قریشی کے گھر ہوا فرزند ماہ رو۔ ماہ پارہ۔ ماہ جبین
نام اس کا معین دین رکھا نام کیا ہے ایک حصن حصین
ہے یہی نام خواجۂ اجمیر وہی اس کے رہیں ہمیشہ معین
اے صفی جب کہ والد مولود ہیں ترے دوست کوئی غیر نہیں

لکھ! یہ تاریخ بھی دعا بھی ہے
کہہ! جوان بخت ہو معین الدین

۱۳۳۸ف

قطعہ تاریخ عقد مرزا قدرت اللہ بیگ غا [آغا جانی]

آغا جانی دولہ بنے
خوشیوں کی معراج ہوئی
میں نے کہی تاریخ صفی
شادی آغا آج ہوئی

۱۳۴۲ھ

تاریخ مثنوی فیاض

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحب فیاض نے ایک مثنوی عقد بیوہ گان کی تائید میں لکھی تھی واقعی یہ ہمارے معاشرے کا بڑا المیہ ہے کہ عقد بیوہ گان کو معیوب سمجھا جاتا ہے جناب صفی نے اس مثنوی کی تاریخ نکالی ہے اسی کے ساتھ اٹھائیس ۲۸ شعر بیواؤں کے عقد نہ کرنے کے بُرے نتائج اور خرابیوں پر لکھتے ہوئے ایسی پُر اثر مثنوی لکھنے پر مثنوی نگار کی تعریف بھی کی ہے:

نہ رہا اشتباہ کیا کہنا — واہ فیاض واہ کیا کہنا
نظم یہ مختصر مفید بھی ہے — اور حسب صواب دید بھی ہے
اب جو لوگوں میں یہ رواج نہیں — اس مرض کا تو کچھ علاج نہیں
ان سے پوچھو کہ ہے یہ شیوہ کیا — عیب ہے کوئی عقد بیوہ کیا
ہو جوانی نہ ہو بڑھاپا بھی — آپڑے سر پہ پھر رنڈاپا بھی
کیا مزہ آئے کھانے پینے میں — دل ہی آخر ہے اس کے سینے میں
آنکھ سے یاس سی ٹپکتی ہے — گھر میں اک اک کے منہ کو تکتی ہے
منہ سے کچھ اپنے کہہ نہیں سکتی — بے حیا بن کے رہ نہیں سکتی
جی میں ڈرتی ہے شرم کے مارے — یہ تو مرتی ہے شرم کے مارے
ایک عورت کی جان پر یہ ستم — ہائے اک بے زبان پر یہ ستم
کچھ دنوں تک تو اس نے صبر کیا — صبر کیا اپنے دل پہ جبر کیا
آخر آتی ہی دل کی حیالوں پر — خوب الجھی بُرے خیالوں میں
شوق طالب ہوا تو پھر کیا تھا — نفس غالب ہوا تو پھر کیا تھا

اب تو شیطان ہم نشین ٹھیرا — روزن در کی دوربین ٹھیرا
پھر یہ کام اختیار کرتی ہے — گھر میں بیٹھی شکار کرتی ہے
یہ لگی آپ اپنے دھندے ہیں — اور ماں باپ اپنے دھندے ہیں
کوئی بیوہ کو کیوں بٹھا رکھے — سچ لکھا ہے تجھے خدا رکھے
کام کے شعرا ایسے ہوتے ہیں — نام کے شعرا ایسے ہوتے ہیں
اسکی احباب داد دیتے ہیں — اور سو بار داد دیتے ہیں

ہر بد و نیک اس کی قدر کرے — دل سے ہر ایک اس کی قدر کرے
قدر ہر اک کے کام آتی ہے — قدر شاعر کا دل بڑھاتی ہے
دل بڑھے گا تو کام بھی ہوگا — کام ہوگا تو نام بھی ہوگا

شعر کا ذوق اس کو کہتے ہیں — نظم کا شوق اس کو کہتے ہیں
روزمرہ زبان ہے اس کی — اور تاثیر جان ہے اس کی
ساری دنیا اسے پسند کرے — اس کی بندش عدو کو بند کرے
دل دکھے اس کو پڑھ کے آہ کریں — دوست احباب واہ واہ کریں

اب صفی کر کے غور کیا لکھے — مصرع سال اور کیا لکھے
سب کے مرغوب مثنوی لکھی — بھائی کیا خوب مثنوی لکھی

۱۳۳۸ ھ

تاریخ بسم اللہ

صاحب زادہ میاں میر حامد علی خاں طول عمرہ نور چشم مکرمی عالی جناب صاحب زادہ میر مکرم علی صاحب زاد کرمہ (نبرۂ ہمایوں جاہ مرحوم) کی تقریب تسمیہ میں۔

اوّل

میاں حامد علی نے ماہ دے میں
پڑھی "بسم اللہ" اور "اقرا" زبانی
صفی نے مصرع تاریخ لکھا
طریق صدق "بسم اللہ خوانی"

۱۳۴۸ فصلی

دوّم

ہوئے حامد علی مکتب نشین آج
شب قدر اور پھر یہ رسم دینی
کیا منظوم سال اس کا صفی نے
عجیب عصر کی مکتب نشینی

۱۳۵۷ ھ

۲۶ رمضان ۱۳۵۷ھ
م ۱۵ اذی ۱۳۴۸ ف
روز شنبہ

اونٹ

بلاعنوان دو نظمیں "اونٹ" پر دیوان میں موجود ہیں۔ جناب خالدی صاحب مرحوم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جناب صفیؔ کے ایک بے تکلف دوست جناب عبدالرؤف خاں صاحب مددگار لوکل فنڈ تھے۔ اونچے قد کے ہونے سے دوستوں نے ان کا خطاب اونٹ دے رکھا تھا۔ موصوف کو یہ خطاب پسند نہ تھا وہ چڑتے اور خفا ہوتے تو دوست احباب لطف اٹھاتے۔ جناب صفیؔ کو شرارت سوجھی اور انہوں نے ایک مشاعرہ کا اعلان کر دیا۔ مشاعرہ کے لئے مصرعِ طرح دینے کی بجائے شعراء سے "اونٹ" پر نظم کہنے کی فرمائش کی اور پھر دلچسپ بات یہ کہ مشاعرہ کے لئے مقام مسجد شتر خانہ دارالشفاء انتخاب کیا۔ بے تکلف دوست اور شاگرد اس مشاعرہ میں شریک ہو کر نظمیں سنائی تھیں۔ جناب خالدی مرحوم بھی اس یادگار مشاعرہ میں شریک ہوئے تھے اور پُر لطف نظمیں سنی تھیں:

یہ نہ پوچھو کون ہے؟ یہ اونٹ یا وہ اونٹ ہے — اونٹ جس کی چڑ ہے میرا مدعا وہ اونٹ ہے
اونٹ کو بھولے ہیں حاجی موٹروں کو دیکھ کر — آج تیرہ سو برس تک جو چلا وہ اونٹ ہے
قد و قامت پہ سمجھتے ہو تم انساں غیر کو؟ — عقل کی باتیں کرو صاحب! ابلہ وہ اونٹ ہے
مینگنی کے اس کی انگارے بجھا لو شہد میں — آگ لے لو جب ذرا دے لو ہوا۔ وہ اونٹ ہے
دیکھنا کانٹے نہیں کھاتا ہے کوئی جانور — ہضم جو کر جائے سب اچھا برا وہ اونٹ ہے
اونٹ کی رفتارِ ناہموار پہ کیوں غور و فکر — طبع کا اس کی یہی ہے مقتضا وہ اونٹ ہے
مرتے مرتے وصفِ قد و قامتِ دشمن ہے کیوں — آپ کا منشا یہ ہے شاید۔ ذرا وہ اونٹ ہے
سب کی تربت ہے زمیں پر اس کی ان کی پیٹھ پہ — کہتے ہیں مردہ بہ دستِ زندہ کیا وہ اونٹ ہے

کوئی دیکھے تو شترِ غمزے مرے ممدوح کے
اونٹنی کی اونٹنی ہے۔ اونٹ کا وہ اونٹ ہے

غیر کی شوخی کا وہ عالم؟ متانت کا یہ حال
ہے ہرن یا اونٹ کا بچہ ہے؟ یا وہ اونٹ ہے

جو شتر کینہ ہوا اس سے دل لگی ہم کیا کریں
اپنے دل میں جس نے کچھ کینہ رکھا وہ اونٹ ہے

جمعِ اضدادِ ضمائر کا "شتر گربہ" ہے نام
شعر میں۔ کیا یہ کوئی بلّی ہے؟ کیا وہ اونٹ ہے

جس کا سر چھوٹا ہے جس کے لمبے لمبے ہاتھ پانو
جان لو از ابتدا تا انتہا وہ اونٹ ہے

اونٹ اور کولے کی یاری تو سنی ہے اے ندیم
کچھ شتر غلطی نہ کر جائے بھلا وہ اونٹ ہے

ناقۂ صالح خرِ عیسیٰ۔ سگِ اصحابِ کہف
کیا یہ کتا؟ وہ گدھا ہے؟ اور کیا وہ اونٹ ہے

راستے سے اونٹ جائے اور میں گھر میں رہوں
شاہدی بھرتی ہے خود آواز یا وہ اونٹ ہے

رقص کرتا ہے حدی خوانوں کی جو آواز پر
آشنائے معنیٔ حمد و ثنا وہ اونٹ ہے

ناقۂ لیلیٰ نے رکھا قیس کو محرومِ دید
آنکھ کو بے جا ہے ایک کا آسرا وہ اونٹ ہے

باعثِ صد رنج ہو جائے نہ شطرنج آپ سے
ق آپ جس کو چل گئے کس کا بھلا وہ اونٹ ہے؟

ہم سے یہ چالیں نہ چلیے۔ رنگ تو پہچانیے
دیکھیے! یہ اونٹ ہے؟ یا آپ کا وہ اونٹ ہے؟

جانور بنتے ہیں وہ ہنر دکھانے کے لیے
سب سمجھتے ہیں۔ یہ کتا۔ یہ گدھا۔ وہ اونٹ ہے

جس کی خاطر کی ہے اتنی خامہ فرسائی صفیؔ
دیکھیں کس کروٹ یہ آخر بیٹھتا وہ اونٹ ہے

لطفِ توارد

آنکھوں آنکھوں میں یوں وہ لے گئے دل
کانوں کان ایک کو خبر نہ ہوئی
(مرزا امداد علی یادؔ)

آنکھوں آنکھوں میں دل لیا اُس نے
کانوں کانوں مجھے خبر نہ ہوئی
(صفیؔ اورنگ آبادی)

اونٹ

وہ سرو قد کہ سہی بازار میں تماشا اونٹ
کسی کی اونٹنی وارفتہ ہے کسی کا اونٹ

ادھورا تم کو یہاں تک سمجھتے ہیں احباب
اتارتے نہیں تصویر میں بھی پورا اونٹ

بنے تو لیجئے "اسٹو" کی کمپنی خبر
رکھا ہے اُس نے نشانِ تجارت اپنا اونٹ

تم اپنے گھر سے جو نکلو۔ یہ ہو ہجوم خلق
کہ جیسے ہوتا ہے دیہات میں اچنبھا اونٹ

تمہارے نام کی یہ لاج ہے کہ سوہن خاں
قبول کرتے جو رنجیت سنگھ دیتا اونٹ

عنانِ نفس نہ دے اپنے ہاتھ سے غافل
خبر نہیں؟ شترِ بے مہار کس کا اونٹ

بناتے ہیں جسے بنتے ہیں پہلے خود احباب
اُس ایک اونٹ کی خاطر بنی ہے نیا اونٹ

خدا کرے کہ یہ ہو تیری کثرتِ اولاد
پکارتے پھریں دُنیا میں لوگ پیپا اونٹ

بساطِ دہر بھی شطرنج کی بساط ہوئی
کہ ایک گھر میں نہیں جاتا ایک گھر کا اونٹ

الٰہی خلد میں ہوگا کہاں شتر خانہ
جو سب کو اونٹ کے بدلے وہاں ملے گا اونٹ

نہ جانے کیوں شترِ قیس تھا بُزِ اخفش
نہ اونٹ ہوتا ہے بکرا نہ کوئی بکرا اونٹ

حکومت آئی ہے شطرنج اُن کو کیا آئی
یہ ہاتھی؟ بادشہ؟ فرزیں؟ پیادہ؟ گھوڑا؟ اونٹ؟

یہ طرفہ گردشِ لیل و نہار ہے صاحب
کہ آپ رات کی ہیں اونٹنی تو دن کا اونٹ

ازل کے دن الفِ کوفی جب ہوئے تقسیم
ق سُنا ہے ہم نے کہ حاضر وہاں نہیں تھا اونٹ

گدھے نے اس کی جگہ اپنی حاضری دے لی
گدھے کا نام جب آیا تو اُس دم آیا اونٹ

جو دیکھا اُس نے یہ ہیں۔ اور یہ میرے ہتھیار
تو اپنے آپ میں ناخوش ہوا بہت سا اونٹ

چلا وہاں سے اُدھر کو جدھر سے آیا تھا — نہ تھا کچھ اپنے بھی نزدیک آپ اچھا اونٹ
ملائکہ نے وہی آلہ پھینک کر مارا — ذرا بھی جس کے مناسب کبھی نہیں تھا اونٹ
یہ اُس کے بخت کہ یہ جا لگا چپک بھی گیا — بہا رہا ہی اُسی دن سے اُلٹی گنگا اونٹ
یہ ہاتھی ہے اونٹ۔ فقط سانس تک ہی ای منعم — جو اُکھڑی سانس تو پھر کس کا گھوڑا کس کا اونٹ
بہت بجا ہی بڑوں کی ہر ایک بات بڑی — کہ بیٹھ جانے پہ بھی ہی گدھے سے اونچا اونٹ
نہ پائی گرد بھی لیلیٰ کی تو نے ای مجنوں — یہ اپنا اپنا مقدر یہ اپنا اپنا اونٹ
اٹھا کے بارِ امانت بنا ہی خود جاہل — بشر بھی واقعی پورا گدھا ہی تھا اونٹ

غزل ہوئی ہی یہ تعطیلِ عید قرباں میں
نہیں تو سر بھی کٹا کر صفیؔ نہ ملتا اونٹ

مصرع پر تضمین

دھونڈتی ہے جسے مری آنکھیں
وہ تماشہ نظر نہیں آتا (داغ)

کیا تماشہ ہے طور پر اب کیوں
وہ تماشہ نظر نہیں آتا (عزیز یار جنگ عزیز)

جو تماشہ بنا دے خود ہم کو
وہ تماشہ نظر نہیں آتا (صفی اورنگ آبادی)

فارسی کلام

حضرت ابوالنصر محمّد خالدی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ انہوں نے
جناب صفیؔ سے فارسی شعر و ادب کی کتابیں پڑھی اور سمجھی تھیں۔
موصوف فارسی زبان میں ان کی مہارت اور ان کے دل نشین
انداز افہام و تفہیم کے بہت معترف اور رطب اللسان تھے۔
ان کا فارسی کلام دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے
دور کے فارسی شعری مذاق سے متاثر ہو کر کبھی کبھی فارسی
زبان میں طبع آزمائی بھی کرتے تھے۔ ممکن ہے بہت کچھ کہا ہوگا
لیکن خود نوشتہ قلمی دیوان میں جتنا فارسی کلام موجود و
دستیاب ہے وہ پیش ہے۔

ہوالکامل

از حسنِ عمل در خورِ صد تحسینی
خوش وقتی و خوش بختی و خوش آئینی
ننگست برای تو کمالِ دُنیا
نامت گوید کہ تو کمالِ دینی

غزل

بد برگشت چہ بے سود صرفۂ نظرم — چہ بخشم و چہ گزارم چہ گیرم و چہ برم
نہ طیش ہجر میسر نہ عیش وصل نصیب — دلم بہ دل برم ست و نہ دل برم بہ برم
زہے کہ مژدۂ وصل تو گشت شادی مرگ — خہے کہ فر بہیم را امالہ شد بہ ورم
نیازِ خاص بسامی کنند ردِّ سوال — شدیم عاشق غنج و دلالِ اہلِ کرم
صفی ز ویر در آید بحلقۂ مایاں
قبول باد الٰہی دعائے اہلِ حرم

تمتعم ز خدائے و تو تعم ز بتاں
نگاہ بر فلک و چشم بر زمیں دارم
صفی طرف شدہ ام از نظیری و غالب
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

غزل

سراپا نا امیدم. دل بغیر و سر بہ پائے او — کہ جانِ دشمن است و دشمنِ جاں ہر ادائے او

بجائے پندِ بے جا یادم شوخے کہ ای یاراں — تنگ گیرم در آغوش و دمے مانند بجائے او

کشیدم نالہ و مخلوق بر من جمع ہم آمد — نیاید در دل آثارئے گیرم از برائے او

چو عشقِ خانہ ویراں در دلم جا کرد۔ دانستم — کہ بہرِ ہر یکے جا ہست حسبِ مقتضائے او

نہ خواہد امتیاز عاشق و معشوق بر خیزد — نہ گردد مبتلا داند کہ ہستم مبتلائے او

ہزاراں سجدہ مزدِ کار و کاوش پائے بوسی ہا — خوشا سنگے کہ گردد زینہ دولت سرائے او

دل است و قہرمانِ عشق کارد عا کردن — ازیں پس ہر چہ بادا باد او ہست و خدائے او

نگیرم انتقام از بدگمانی ہائے روز افزوں — نہ خواہم آشنائے را کہ باشد آشنائے او

دہد کے دست افسونے چنیں افسانہ سازاں را — کہ مجنوں پائے سگ بوسید و بوسیدیم پائے او

مرا از آب آئینہ فتاد اندر جگر آتش — فدائے خویشتن چوں دیدمش گشتم فدائے او

ادائے او دلم دزدید و قاضی را قضا آمد — چہ بے ہنگام مرداں نا سزا خواہم سزائے او

صفی از بر طریقِ حضرتِ مجنوں روش دارد
الٰہی کار دشوار است و فہم نارسائے او

غزل

دو چشمت ہمچو خواب آلودہ مستانہ می آئی ... بگو از خانہ می آئی کہ از مے خانہ می آئی
فریبم دادی و جانم ربودی شرم می آید ... کہ معشوقی و با اندازِ بازرگانہ می آئی
شدم دیوانہ و در کوچہ و بازار می گردم ... شنیدستم کہ بہرِ دیدنِ دیوانہ می آئی
بخوان و حالِ من بشنو بیا و جانِ من بستاں ... چہ نازاست ایں کہ می خوانی مرا حالانہ می آئی
خموشی و تبسم اللہ اللہ معنیٔ دارد ... نہ فہمیدم کہ می آئی بہ فردایا نہ می آئی

صفی رندے ست، شاہد باز و اوباشے ست، عاشق گر
قدم رنجہ بفرمائی و تا مے خانہ می آئی!

مشرہ نشتر، نگہ نشتر، زرہ در بر، کلاہ بر سر
چہ دور است ایں اگر از خانہ تا افسانہ می آئی

مرسلہ جناب معین الدین عزمی صاحب (امریکہ)

دل کو تپش سے غیرت برق تپاں بنا
آنکھوں میں رنگ رشک [illegible] بہار دے

اس دیدۂ کمینہ میں پروائے جاں نہ رکھ
جب چاہیے جس پہ جاں محبت میں وار دے

تیرا یہ حکم مانگ ہر اک چیز مجھ سے مانگ
میری دعا کہ دے مرے پروردگار دے

داتا کی شان یہ ہی کہ جاری ہو اس کا دین
سائل کا شیوہ یہ ہی کہ دامن پسار دے

میں بار بار مانگوں جو درکار ہے مجھے
اور اپنے فضل سے تو مجھے بار بار دے

یا کوئی تیرے بندوں میں ایسا مجھے بتا
یا رب کی طرح نفس کے موذی کو مار دے

یا کوئی جا کے لائے اسے غم کدے تک آج
یا کوئی آ کے میری اجل کو پکار دے

دنیا میں کچھ بھی قدر محبت نہیں رہی
یا آہ جگر گداز و نفس شعلہ بار دے

یا دے مری زباں میں تاثیر اور اثر
یا اس کو جو میری بات پہ تو اعتبار دے

یا دل کو سوز ہجر سے محفوظ رکھ مدام
یا اس کو داغ دے تو ہمیشہ ابھار دے

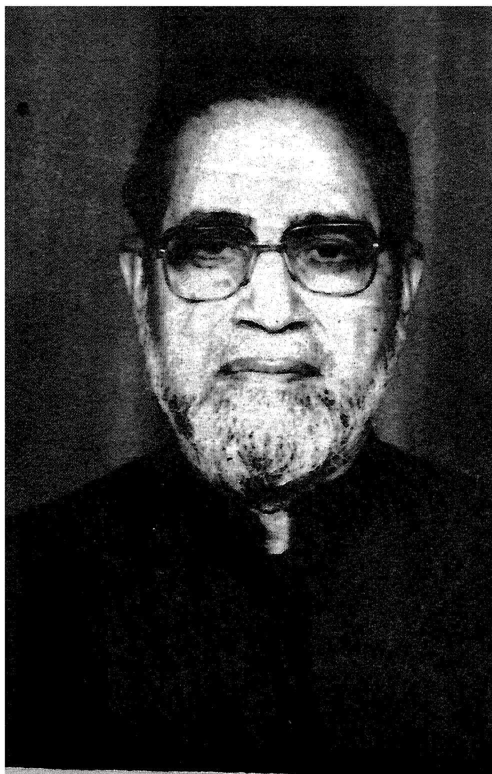
یا اس کا قول ہی نہ ہو ~~باور کبھی مجھے~~ مجھے باور نہ ہو کبھی
یا تاب ~~شب~~ انتظار شب انتظار دے

یا آبرو کے ساتھ محبت کی راہ میں
تھوڑی سی زندگی ہی اسے بھی گزار دے

یا تو صفی کی بات سے ہو ہر اک دعا قبول
وہ تجھ سے ایک مانگے تو اس کو ہزار دے

یا ایک دل انیس ملے ہو اس کو بقول داغ
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

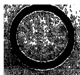
[illegible] حضرت صفی



محمّد نورالدّین خاں

مولف کی دوسری کتابیں

- صاحبزادہ نواب صلابت جاہ۔ مطبوعہ ۱۹۸۷ء
- سوانح عمری صفیؔ اورنگ آبادی۔ مطبوعہ ۱۹۸۹ء
- تاریخ وادب۔ مطبوعہ ۱۹۹۲ء
- کلام صفیؔ اورنگ آبادی [غیر مطبوعہ] زیرِ ترتیب
  غزلیات و متفرق اشعار
- صدق جائسی۔ زیرِ ترتیب
  سوانحی خاکہ۔ غزلیات، غیر مطبوعہ ہجویں و دیگر کلام





جناب محمد نور الدین خان صاحب ادب کے ایک بے لوث خدمت گذار ہیں۔ یہ بات لائقِ ستائش ہے کہ اپنے آپ کو علمی و تحقیقی کام میں مصروف رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی تین کتابیں "صاحبزادہ نواب صلابت جاہ" "سوانح عمری صفیؔ اورنگ آبادی" اور "تاریخ و ادب" شائع ہو کر اہلِ علم سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ یہ تالیف "کلام صفیؔ اورنگ آبادی (غیر مطبوعہ)" ان کے ذوقِ علم اور جستجوئے پیہم کا ایک اور ثبوت ہے۔ جسے شائع کر کے انہوں نے واقعی ایک بڑا اہم کام کیا ہے۔ صفیؔ اورنگ آبادی کی نظمیں، قصائد، مثنوی، مسدس اور فارسی کلام جو اب تک پردۂ گمنامی میں تھا اور صفیؔ پر کام کرنے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا، موصوف نے اسے یکجا کر کے طباعت کا جامہ پہنایا ہے اور پھر ہر نظم پر مختصر نوٹ لکھ کر اس کے پس منظر سے قاری کو واقف کرانے کی بھی کوشش کی ہے۔ جناب صفیؔ کے فن اور شخصیت کو سمجھنے یقیناً یہ کتاب مفید اور مددگار ثابت ہوگی۔

سیّد جمیل احمد
جدہ، سعودی عرب